# نزولِ مسیحؑ

(ایڈیشن دوئم)

مرزا عبدالحق
ایڈووکیٹ

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 068117
★ MAILSI ★
TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

# فہرست مضامین

صفحہ

## باب سوئم

## باب چہارم



## باب پنجم

## باب نہم



## باب دہم

## باب یازدہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے مسلمان بھائیوں کے لیے احمدیت کے سمجھنے میں سب سے بڑی روک یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کو ختم نبوت کے منافی خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں اور حدیثوں میں مسیح کی آمد کی پیشگوئیوں کی وجہ سے (بالخصوص حدیثوں کے باعث کہ ان میں نام لیکر یہ پیشگوئیاں ہیں) اُمتِ محمدیہ میں یہ عقیدہ راسخ رہا ہے کہ جب مسلمانوں پر انتہائی زوال کا وقت آئیگا اور وہ دجال کے نرغہ میں پھنس جائیں گے اور ایمان عملاً اُٹھ جائے گا تو اس وقت مسیح آئیگا جو ایک طرف دجال کو قتل کر کے اور کسرِ صلیب سے اسلام کی بیرونی مدافعت کا کام سرانجام دے گا اور دوسری طرف مسلمانوں میں از سرِ نو ایمان کو قائم کرے گا، لیکن اس کا آنا ختم نبوت میں رخنہ انداز نہیں ہوگا، کیونکہ وہ احیائے اسلام اور مدافعت کا سارا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور متابعت میں بطور امتی کرے گا اور آپ ہی کا کلمہ اس کا کلمہ ہوگا اور قرآن ہی اس کی کتاب ہوگی۔

اگر قرآن کریم سے یہ ثابت ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور نزول مسیح سے مراد اُن کا آسمان سے اُترنا نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے فقط یہ مراد ہے کہ ان کے ساتھ کامل مماثلت رکھتے ہوئے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہی پیدا ہوگا جیسا کہ تورات میں جب ایلیا نبی کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی گئی تو وہ یوحنا یعنی یحییٰ نبی کے وجود میں پوری ہوئی قرار دی گئی اور یہ توجیہہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمائی۔ تو ایسے مثیل کی آمد ختم نبوت کے منافی کس طرح سمجھی جا سکتی ہے۔ خدا کے ایک سابق نبی کو دوبارہ ایک اُمتی کے طور پر لانے میں تو غور کرنے والوں کو کئی قباحتیں نظر آئیں گی اور یہ باور کرنا مشکل ہو جائے گا کہ ان کی ساری حیثیت یکسر کیسے بدل جائے گی۔ ان کی نبوت مستقلہ بھی بدل جائے گی۔ ان کی کتاب بھی بدل جائے گی اور بحیثیت ایک مسلمان کے وہ عیسائیت کی تباہی کے درپے ہو جائیں گے۔ ان کے پہلے مخاطب یعنی بنی اسرائیل کی بجائے ساری دنیا ان کی مخاطب ہو جائے گی۔ غرضیکہ بہت سی مشکلات نظر آئیں گی۔ لیکن ان کے مثیل کے آنے میں ایسی کوئی قباحت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی آغوش میں پرورش پائی ہوگی۔ آپؐ ہی کی غلامی اور متابعت اور محبت میں اسے سب کچھ ملا ہوگا۔ اس کا روحانی مرتبہ اور اس کا سارا کام آپؐ ہی کے طفیل ہوگا۔ آپ ہی کے لائے ہوئے دین اسلام کی وہ تجدید و احیاء کرے گا۔ آپ ہی کی محبت اور عشق اس کا سرمایہ حیات ہوگا۔ قرآن ہی اس کا سرمایہ علم ہوگا جس کے پوشیدہ

معارف وہ ظاہر کرے گا اور جس کی روشنی کو وہ دنیا میں پھیلائے گا۔ غلبۂ اسلام ہی اس کا مقصدِ زندگی ہو گا جس کے لیے وہ دجالیت اور عیسائیت اور ہر مقابل پر آنے والی طاقت کی بیخ کنی کریگا اور یہ سب کچھ اس کے آقا و سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تاثیروں اور برکت کی وجہ سے ہو گا۔ ان تاثیروں کو وہ اپنے وجود میں ظاہر کر کے دکھائے گا۔ تا تمام دنیا پر حجّت ٹھہرے اور ان کو محض کہانیوں کی شکل نہ دی جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام برکتوں کے ساتھ زندہ نظر آئیں غور فرمائیے اگر عیسےٰ ابن مریم کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں تو ایسے شخص کا آنا کس طرح منافی ہو گا۔

اس مضمون کے تمام پہلوؤں کو زیر غور لانے کے لیے اسے گیارہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جو یہ ہیں :-

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے متعلق قرآنی پیشگوئیاں۔
۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے متعلق حدیثوں میں پیشگوئیاں۔
۳۔ بزرگانِ دین اور علماء کا نزولِ مسیح کے عقیدہ پر قائم ہونا۔
۴۔ وفاتِ مسیح از روئے قرآن مجید۔
۵۔ وفاتِ مسیح از روئے حدیث۔
۶۔ وفاتِ مسیح کے متعلق مشہور علماء کے فتاویٰ اور آراء۔
۷۔ فوت شدہ لوگ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آتے۔
۸۔ حدیثوں میں نزول عیسےٰ کی پیشگوئیوں کی اصل حقیقت۔

۹- پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعود کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں۔

۱۰- امت محمدیہ میں غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بند نہیں۔

۱۱- آخر الکلام۔

# باب اوّل

## حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی آمد کے متعلق قرآنی پیشگوئیاں

ماموریں کی آمد کے متعلق پیشگوئیوں کے بارہ یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہئیے کہ ان میں بیشتر استعارات ہوتے ہیں اور دیگر ایمانی امور کی طرح اخفاء کا پہلو غالب ہوتا ہے تا اُن پر ایمان لانے کی توفیق صرف وہی لوگ پائیں جو اپنے اندر خدا تعالےٰ کا خوف رکھتے ہوئے ان پر غور کرتے ہیں۔ اور قرآنی ارشاد هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے منشا کو پورا کرتے ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور تمام فضیلتوں کی جامع ذات کے متعلق بھی ایسے الفاظ میں پیشگوئی کی گئی تھی جو ہر کس و ناکس کو فائدہ نہ دے سکی اور انسانوں کی بہت بڑی اکثریت آپ کو شناخت کرنے سے محروم رہی۔ یہود اور عیسائی ابھی تک جھگڑتے ہیں کہ تورات کی پیشگوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر چسپاں نہیں ہوتی۔ لیکن وہ اس بارہ میں معذور قرار نہیں دئے جاسکتے اور نہ انکار کی سزا سے بچ سکتے ہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی بھی ایسی ہی طرز سے تھی۔ حضرت الیاس (ایلیاہ) کی آمد ثانی کی پیشگوئی میں بھی یہی صورت تھی کہ اس سے مراد ان کا اپنا اصالتاً دوبارہ آنا نہیں تھا بلکہ اُن کے مثیل

کی پیش خبری دی تھی جو حضرت یحییٰ (یوحنا) کی شکل میں آیا۔

پس ایسی عظیم الشان پیشگوئیوں کے متعلق غور کرنے کے لیے بہت تقویٰ کی ضرورت ہے اور تب ہی اخفاء کے پردہ کے پیچھے حقیقت کی روشنی نظر آتی ہے۔ اور انسان خدا تعالیٰ کی نگاہ میں اجر کے لائق ٹھہر کر جنت کا وارث بنایا جاتا ہے۔ ان میں اخفاء کا پہلو نہ ہوتا اور واضح طور پر آنے والے کا نام اور پتہ اور اوصاف بتا دئے جاتے اور کوئی ابہام نہ چھوڑا جاتا تو ان پر ایمان لے آنا آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کے وجود کو مان لینے کے مترادف ہوتا اور کسی آزمائش یا انعام کا سوال نہ رہتا حالانکہ ایمانی امور کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کی آزمائش ہو اور وہ جنت یا دوزخ کا مستحق ٹھہرے۔ ان امور کی ابتداء ایمان بالغیب سے ہوتی ہے جو راجح اور غالب عقلی دلائل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ وہ ابتدائی ہوتے ہیں مگر ان کی انتہا یقین اور اطمینانِ قلب اور ان کے شیریں ثمرات حاصل ہونے پر ہوتی ہے جو ایمان بالغیب عمل استقلال اور عاجزانہ دعاؤں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو جلد بازی سے کام نہیں لیتے۔ اور فوراً ہی انکار پر آمادہ نہیں ہو جاتے بلکہ خدا تعالیٰ کے خوف کو دل میں رکھتے ہوئے پیشگوئی کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت کو مان لیتے ہیں اور ماموری الٰہی کی شناخت کی توفیق پاتے ہیں، وہی ہیں جو دنیا اور آخرت میں کامیاب اور بامراد ہوتے ہیں۔

اب قرآنی پیشگوئیوں میں سے چند ایک کو بیان کیا جاتا ہے:۔

پہلی پیشگوئی: سورہ جمعہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ: وہی خدا ہے جس نے ایک اَن پڑھ قوم کی طرف اُن میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے گو وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور (وہ مبعوث کریگا اس کو) آخرین میں بھی جو ابھی ان کو ملے نہیں (یعنی بہت بعد میں آئیں گے)

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ میں عطف اُمّیّٖن پر ہے یا يُعَلِّمُهُمْ میں ضمیر منصوب پر۔ اس طرح پہلی صورت کے لحاظ سے معنے بنتے ہیں کہ اس نے رسول بھیجا امیوں میں اور پھر وہ اسے بھیجیگا آخرین میں۔ دوسری صورت کے لحاظ سے یہ معنے ہوتے ہیں کہ یعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویعلّم الاٰخرین منھم یعنی وہ ان اُمّیوں کو کتاب اور حکمت سکھائے گا اور ان دوسرے آنے والوں کو بھی سکھائے گا جو ابھی ان سے نہیں ملے۔

اس آیت کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ذیل کی حدیث میں فرمائی ہے:-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاُنْزِلَتْ عَلَیْہِ سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ قَالَ قُلْتُ مَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَلَمْ یُرَاجِعْہُ حَتّٰی سَاَلَ ثَلَاثًا وَفِیْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ وَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ عَلٰی سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رِجَالٌ اَوْ رَجُلٌ مِنْ ھٰؤُلَاءِ۔

(بخاری کتاب التفسیر)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورہ جمعہ اُتری جس میں یہ آیت تھی وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے اس کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ میں نے اس سوال کو تین دفعہ دہرایا۔ اس وقت ہم میں سلمان فارسی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنا ہاتھ سلمان پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان اُڑ کر ثریا پر بھی جا پہنچا ہوگا تو اُسے ان میں سے (یعنی اہل فارس کی نسل سے) ایک یا ایک سے زیادہ آدمی واپس لے آئیں گے۔

اس حدیث کے متعلق قرطبی کہتا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا۔ بہت سے حدیث کے حافظ اور امام ملک فارس سے ہوئے تیسیر الباری (ترجمہ صحیح بخاری از مولوی وحید الزمان)

میں اس جگہ نوٹ دیا گیا ہے کہ اگر رَجلٌ مِّنْ ھٰؤُلَاءِ والی روایت درست ہے (یعنی ایک ہی آدمی یہ کام کریگا) تو اس کے مصداق امام بخاری ہیں جو فارس کے رہنے والے تھے۔

صحیح بخاری کی یہ روایت بتاتی ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ایمان اُڑ کر ثریا پر چلا جائیگا یعنی دنیا سے مفقود ہو جائے گا اور پھر اسے واپس لانے والا ایک فارسی النسل ہو گا۔

اگر اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر چسپاں کیا جائے تو یہ درست نہیں ٹھہرتی۔ کیونکہ آپ کے اور دوسرے ائمہ حدیث کے وقت میں ابھی ایمان ثریا پر نہ گیا تھا۔ بلکہ مسلمانوں میں بہت کچھ ایمان موجود تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث اور واقعات کے لحاظ سے پہلے تین سو سال کو ایمانی جہت سے خیر القرون (اچھا زمانہ) شمار کیا گیا ہے۔ یہ سب ائمہ حدیث تیسری صدی کے شروع اور درمیان میں ہوئے۔ فیج اعوج یعنی ایسے انسانوں کا زمانہ جن کی اخلاقی اور روحانی حالت بہت گندی ہو گئی اس کے بعد آیا اور اس کی تکمیل تیرھویں صدی کے آخر تک ہوئی جب دجال اور یاجوج ماجوج (یعنی مغربی اقوام جو دنیا پرستی میں بہت بڑھ گئیں اور اجیج یعنی آگ کے شعلوں سے کام لیکر ہر قسم کی مشینیں ایجاد کیں) کا خروج ہوا اور دنیا میں ان کا غلبہ ہو گیا اور اسلام مقہور و مغلوب ہو گیا۔ عیسائی، پادری اور آریہ اور فلسفی اور دہریہ مسلمانوں کے سروں پر سوار ہو گئے۔ اور انہیں

نیست و نابود کرنے کے درپے ہو گئے۔ ایسے فارسی النسل کی ضرورت اس آڑے وقت میں تھی تا وہ اسلام کو تازہ کرے۔ ایمان کو دوبارہ قائم کرے گویا اسے آسمان سے اُتار کر لائے اور سب ادیان پر اس کے غلبہ کا سامان کرے۔ اس انتہائی بگڑے ہوئے زمانہ کی خبر حدیث میں ان الفاظ میں دی گئی تھی۔

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قبلکم شِبْرًا بِشِبْرٍ وذراعًا بذراعٍ حتّٰی لو دخلوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْھُمْ قلنا یا رسول اللّٰہ الیھود والنصارٰی قال فمن۔

(بخاری کتاب بدء الخلق)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اگلے لوگوں کی پیروی کرو گے بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہو گئے تو تم بھی وہاں جاؤ گے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہود اور نصاریٰ کی پیروی کریں گے؟ فرمایا تو اور کن کی (یعنی وہی مراد ہیں)

اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا:۔

یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقٰی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقٰی من القراٰن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خرابٌ من الھدٰی عُلَمَاءُھم شَرُّ

مَنْ تحتَ اَدِیْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِ ھِم تخرج الفِتنۃُ وَفِیھِم تَعُوْدُ۔ (شعب الایمان)

ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ اسلام کا فقط نام اور قرآن کے فقط الفاظ باقی رہ جائیں گے۔ ان کی مسجدیں بظاہر آباد لیکن ہدایت سے خالی ہونگی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہونگے۔ خاص فتنہ انہی میں سے نکلے گا اور انہی کی طرف عود کر جائے گا (یعنی وہ ایک خاص فتنہ کے مرکز ہونگے)

اس حدیث میں نہ صرف عوام کا حال بیان کیا گیا ہے بلکہ علما کی حالت کا بھی نقشہ کھینچا گیا ہے۔ گذشتہ صدی سے مسلمانوں کی اس حالت کا اعتراف کتابوں اور رسالوں اور اخبارات میں اس قدر کیا جا چکا ہے کہ اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ حالات اس شدت کے ساتھ پہلے کبھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ نہ ہی سلمان فارسی والی حدیث کے مصداق کے آنے کی ضرورت تھی۔ وہ فارسی النسل عین ضرورت کے وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہوا اور اس نے وہ سارے کام کیے جن کے لیے اُسے بھیجا جانا تھا۔ اس کی کسی قدر تفصیل آگے آئیگی۔

اگر ہم غور کریں تو قرآن کریم بھی ہمیں یہی بتا رہا ہے کہ یہ کام اس زمانہ کے نام نہاد علماء کے ہاتھوں ہونے والا نہیں تھا اور اس کی وجہ بھی بتاتا ہے۔ سورہ جمعہ کی زیر بحث آیت کے آگے ایک آیت اور چھوڑ کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ یعنی ان لوگوں کی مثال جنہیں تورات پر عمل کرنے کا مکلف کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اس گدھے کی مثال ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے (یعنی اس بوجھ کے باوجود کتابوں کے علم سے محروم ہوتا ہے)

سو کسی انسان پر صرف کتابوں کے علوم کا بوجھ ڈال دینے سے وہ کام کا نہیں بنتا جب تک وہ تقویٰ اختیار کر کے علوم کی حقیقت تک نہ پہنچے اور ان پر عمل پیرا نہ ہو۔ محض ظاہری علوم تو بسا اوقات سوائے تکبر کے اور کوئی پھل نہیں دیتے اور ایسا انسان خدا کی درگاہ سے دھتکارا جاتا ہے۔ ایسے علماء نے اسلام کی تر و تازگی کیا واپس لانی تھی۔ یہ تو کوئی خدا کا مامور ہی کر سکتا تھا کہ اس امت کے آخری حصہ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس کے پہلے حصہ جیسا ہی کر دے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ۔

(ترمذی)

یعنی میری امت کی مثال اس بارش کی طرح ہے جس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا پہلا حصہ زیادہ بابرکت ہے یا آخری حصہ۔

اسی کے مطابق یہ حدیث بھی ہے:۔

انہ سیکون فی اٰخر ھذہ الامۃ قومٌ لھم مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِھِمْ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن (بیہقی)

ترجمہ: اس امت کے آخر میں ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جنہیں ان سے پہلی گذری ہوئی قوموں کی مانند اجر ملے گا وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور دین میں فتنہ کرنے والوں کا مقابلہ کریں گے۔ گویا دجال اور عیسائیت وغیرہ کے مقابلہ میں ایک موثر تبلیغی نظام مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے لیے واقفین زندگی بھی ہوں گے ان کی تعلیم اور تربیت کا پورا انتظام بھی ہو گا۔ مالی قربانیاں بھی ایسی ہونگی کہ بیت المال سے یہ سارا نظام چل سکے۔ ان کے ہاتھ میں نہایت پختہ اور مضبوط دلائل کی تلوار بھی ہو گی جو تمام بوسیدہ اور غلط دلائل کو کاٹتی جائے گی اور اس طرح اسلام کی برتری تمام مذاہب پر ثابت کر دیگی۔ غرضیکہ یہ حدیث چند ایک افراد کے متعلق نہیں بلکہ ایک نہایت مضبوط تبلیغی نظام کے متعلق خبر دیتی ہے جس میں وہ ساری خوبیاں پائی جائیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

**دوسری پیشگوئی** هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (سورۃ صف)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا

تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک اسے ناپسند ہی کریں۔

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ اظہار دین یعنی دین کا غلبہ نزول مسیح کے وقت پورا ہوگا۔ چند ایک حوالے یہ ہیں :-

۱۔ "دین اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر عیسےٰ ابن مریم کے نزول کے وقت ہوگا۔" (تفسیر ابن جریر پارہ ۲۸ ترجمہ از عربی عبارت)

۲۔ "تاکہ غالب کردے اس دین کو علی الدین کلہٖ سب دین اور ملّت پر حضرت مسیح کے اُترنے کے وقت۔" (تفسیر قادری جلد ۲ صـ۵۳۸)

۳۔ ظاہر است کہ ابتدائے ظہورِ دین در زمانِ پیغمبرؐ بوقوع آمدہ واتمام آں از دست حضرت مہدی واقع خواہد بود۔"

(منصب خلافت از حضرت اسماعیل شہیدؒ)

آگے چل کر ثابت کیا جائے گا کہ درحقیقت حضرت مسیح موعودؑ نے ہی مہدی بھی ہونا تھا اس لیے حضرت اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ وعدہ غلبہ اسلام مسیح کی آمد کے ساتھ والبتہ ہے۔

۴۔ انما نزلت فی القائم من اٰل محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) وھو الامام الذی یظھرہ علی الدین کلہ"۔

(بحار الانوار جلد ۱۳ صـ۱۲ و تفسیر صافی بحوالہ قمی)

یعنی یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے امام قائم (مہدی) کے متعلق ہے اور وہی امام ہوگا جو اسلام کو باقی سب دینوں پر غالب کریگا۔

اگر غور کیا جائے تو یہ آیت کریمہ دراصل دو پیشگوئیوں پر مشتمل ہے اوّل مسیح کا آنا۔ کیونکہ اس کے وقت میں اسلام کو ہر طرف سے گھر جانے کے بعد غلبہ حاصل ہوگا۔ دوسرے اس غلبہ کا حاصل ہونا۔

اس غلبہ کے حاصل ہونے کے لیے سامانوں کی بھی ضرورت تھی۔ سب سے بڑا سامان تو وہ دلائل تھے جو خدا کے مسیح نے مہیّا کیے، جن کا مقابلہ کوئی مذہب نہ کر سکا۔ وہ دلائل ایسے روشن تھے کہ ہر مقابل پر آنے والا خیرہ ہو گیا اور شکست کھا گیا۔ پھر ان دلائل کو دنیا میں پھیلانے کے ذرائع کی ضرورت تھی۔ سو ان کے متعلق قرآن کریم نے پہلے ہی بتا دیا تھا:

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ..... وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (تکویر)

یعنی ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا کے تمام انسانوں کو ملا دیا جائیگا اور کتابیں اور رسائل اور اخبار نشر کیے جائیں گے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ساری دنیا ایک کر دی گئی ہے۔ ایک لمحہ سے بھی کم میں یہاں کی آواز یورپ، امریکہ، افریقہ اور دنیا کے ہر ملک میں پہنچ جاتی ہے۔ ہر جگہ کی تقاریر گھر میں بیٹھے سنتے ہیں۔ گذشتہ سال سیٹلائیٹ کے ذریعہ میدان عرفات میں حج کا خطبہ اور تلبیہ کی آوازیں گھروں میں بیٹھ کر سُنیں۔ ٹیلیویژن کے ذریعہ ہر جگہ کے نظارے یہاں دیکھ لیتے ہیں۔ اور انسانوں کو تقریریں کرتے اپنے سامنے دیکھ لیتے ہیں۔ ٹیلیفون کے ذریعہ ہزاروں میل سے آپس میں بات کر لیتے ہیں۔ چند گھنٹوں میں دنیا کے دوسرے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔ گویا فاصلہ کوئی چیز ہی نہیں رہا۔ اور ابھی روز بروز

اس میں ترقی ہو رہی ہے۔ چاند پر اُتر جانے کے بعد اور ستاروں اور سیاروں پر جانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ تا کہ اگر کہیں آبادی ثابت ہو تو ان سے ہماری زمین والے رابطہ قائم کر سکیں۔ اور صرف زمین کی آبادی ہی نہیں بلکہ اور آبادیاں بھی آپس میں مل سکیں اور سب ایک ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کی بات وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کیسے شاندار طریق سے پوری ہوئی۔ انیسویں صدی کے آخر سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور ہر روز ترقی پذیر رہا۔ حتیٰ کہ اب ہر دس سال میں وہ ترقی ہو جاتی ہے جو پہلی مجموعی ترقی سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

کتابوں اور رسائل اور اخبارات کی اشاعت کا بھی یہی حال ہے۔ انجیل کروڑوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والی تو کئی ایک کتابیں ہر سال ہوتی ہیں۔ رسالوں کی اشاعت بھی کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے ریڈرز ڈائجسٹ ۱۹۲۲ء کے قریب شروع ہوا، صرف ایک میاں بیوی اس کے شروع کرنے والے تھے۔ دس بیس ہزار کی اشاعت تک پہنچنا اُس وقت اُن کا مطمحِ نظر تھا۔ اب وہ تیرہ زبانوں میں تین کروڑ سے زائد ہر ماہ فروخت ہوتا ہے۔ ایڈیٹروں، مضمون نگاروں اور منتظمین کی ایک لمبی فہرست ہوتی ہے۔ بعض رسالے ہفتہ وار پچاس ساٹھ لاکھ کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ اخبار ہیں ان کا کوئی شمار ہی نہیں۔ نشر و اشاعت میں یہ ساری ترقی بھی وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کے ساتھ ساتھ ہی ہو رہی ہے۔

ایسے زمانہ میں ہی مسیح موعود کا آنا ضروری تھا، تا وہ ان ذرائع کو استعمال میں لاتا ہوا اسلام کی اشاعت کرے اور قرآن کریم کے معارف دُنیا میں

پھیلائے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی شان کو دنیا میں ظاہر کرے اور یہ سب کام دنیا کے کونے کونے میں ہو۔

تیسری پیشگوئی: سورہ کہف کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ (کہف رکوع ۱۱ کا آخری حصہ)

ترجمہ: اور ہم اس دن (یعنی یاجوج ماجوج کی سلطنت کے زمانہ میں) قوموں کو قوموں پر چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں موجزنی کریں (یعنی ایک دوسرے پر غالب آنا چاہیں گی لیکن یہ بالآخر ان کی اپنی ہلاکت کا موجب ہوگا) اور خدا کی طرف سے صور پھونکا جائے گا جس سے سب کو اکٹھا کردیا جائیگا۔

لُغت میں صُوْر کے معنے بگل کے بھی ہوتے ہیں اور صورتوں یا شکلوں کے بھی (صورۃ کی جمع صُوَر) (دیکھیں لسان العرب۔ اقرب الموارد وغیرہ)

امام راغب کہتے ہیں: "یوم ینفخ فی الصور فقد قیل ھو مثل قرنٍ ینفخ فیہ فیجعلُ اللہُ سبحانہ ذٰلک سببًا لِعَوْدِ الصُّوَرِ وَالْاَرْوَاحِ اِلٰی اَجْسَامِھَا وَرُوِیَ فِی الْخَبَرِ اَنَّ الصُّوْرَ فِیْہِ صورۃُ النَّاس کلھم (مفردات راغب)

یعنی کہا گیا ہے کہ صُوْر سینگ کی طرح ہوگا جس میں پھونک ماری جائے گی۔ پس اللہ تعالیٰ اسے سبب بنائیگا صورتوں اور روحوں کو اپنے جسموں کی طرف لوٹنے کا۔ اور خبر میں روایت کیا گیا ہے کہ صُوْر میں تمام انسانوں کی صورتیں ہونگی۔ اس طور سے امام راغب نے دونوں معنوں کو جمع کرکے یہ معنے مرادلیے

کہ بگل بجانے سے تمام روحوں کو جسموں میں ڈالا جائے گا۔
آخرت میں تو نفخ صور کی اصل کیفیت اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہوگی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہاں مُردہ جسموں میں روحیں ڈالی جائینگی لیکن ایک نفخ صور روحانی رنگ میں اس دنیا میں بھی ہوتا ہے جس سے رُحانی طور پر مردہ انسانوں میں نفخ روح کیا جاتا ہے اور وہ ماموں کے ذریعہ ہوتا ہے وہ ایسے وقت میں آتا ہے جب دنیا روحانی طور پر مُردہ ہوچکی ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ احیائے موتیٰ کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسے کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے :۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ (انفال آیت ۲۵)

یعنی اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی بات مانا کرو جب وہ تمہیں بلائیں تاکہ وہ تمہیں زندہ کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے زندہ کرنا اپنی طرف اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اس سے جسمانی مردے تو مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اوّل اس میں ان ایمان والوں کو مخاطب کیا گیا ہے جو اس دنیا میں موجود ہیں۔ دوم جواب دینے اور اطاعت کرنے کی طاقت بھی انہی کو حاصل ہے جو یہاں ہیں۔ اگلے جہان میں تو بات مان لینا اور اطاعت کرنا ان کی مرضی پر موقوف نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر انسان اس کے لیے مجبور ہوگا۔ سوم یہ زندہ کرنا اس اطاعت کے انعام کے طور پر ہے جو انسان اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ آخرت میں یہ صورت نہ ہوگی۔ پس بلاشبہ یہ آیت

صرف روحانی زندگی دینے کے متعلق ہے نہ کہ جسمانی مردوں کو زندہ کرنے کے بارہ میں۔ یہی نفخ صور ہے جو مامور کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور سورہ کہف کی متذکرہ بالا آیت میں بھی یہی مراد ہے۔ وہاں عیسائی اقوام کی آپس میں جنگوں کا ذکر ہے جو بے مثال قسم کی ہونگی جیسا کہ یموج کا لفظ بتارہا ہے۔ اس کے بعد ان کی تباہی مقدر ہے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ان میں نفخ صور کا یعنی روحانی زندگی بخشنے کا ذکر ہے۔ جس سے تمام انسان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونگے اس جگہ قیامت کا آنا مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ قرآن کریم نے اسی قسم کے حالات پیدا ہو جانے کے بعد مسیح موعود کے ذریعہ اسلام کا غلبہ بتایا ہے اور پھر اس غلبہ کے ایک لمبا عرصہ رہنے کے بعد قیامت کا آنا ہوگا تا انسانوں کو اس غلبہ کا فائدہ بھی پہنچے پس یہاں فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا سے مراد مسیح موعود کے جھنڈے کے نیچے سب اقوام کا جمع ہو جانا ہے جو انشاء اللہ ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ دو بے مثال قسم کی جنگیں ہوچکی ہیں۔ تیسری کی تیاری ہے اور اس انقلابی زمانہ میں حسب آیت عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ایسی ایٹمی جنگ ہوگی جو جہنم کا نمونہ ہوگی۔ اور اس کے بعد اسلام کا غلبہ ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سورہ کہف کے پہلے حصہ میں اس وقت کے عیسائیوں کا ذکر ہے جب وہ توحید پر قائم تھے اور اس وجہ سے انہیں بے حد دُکھ دیا گیا یہاں تک کہ انہیں زمین کے اوپر رہنے کی بھی گنجائش نہ رہی اور انہوں نے اپنے لیے زمین کے نیچے تہ خانے بنائے جو ابھی تک

روم سے کچھ فاصلے پر موجود ہیں۔ یہ تہہ خانے تین منزلہ ہیں۔ ان کے راستے بعض جگہ جاکر بند ہو جاتے ہیں تاکہ ان کا پیچھا کرنے والے اس طرح کے راستوں میں گم ہو کر انہیں پکڑ نہ سکیں۔ انہی تہ خانوں میں ان کی عبادتگاہیں اور انہی میں اُن کے سکول تھے۔ باہر سے چیزیں لانے کے لیے بھی چوری چھپے جاتے۔ باہر کتے رکھتے تاکہ اگر کوئی آئے تو انہیں پتہ چل جائے۔ یہی اصحاب کہف ہیں۔ یا CATACOMBS میں رہنے والے جن کا سورہ کہف کے پہلے حصہ میں ذکر ہے۔ ان لوگوں نے کیسے مشکل حالات میں اپنے ایمان کی حفاظت کی۔

سورہ کہف کے آخر میں اس وقت کے عیسائیوں کا ذکر ہے جب وہ یاجوج ماجوج اور دجال کی شکل اختیار کرکے دنیا پر حاوی ہو چکے ہونگے۔ اس وقت مسیح موعود کے آنے اور اس کے ہاتھوں ان کے مغلوب ہونے کا ذکر ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دجال کے فتنہ سے بچنے کے لیے سورۃ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھا کرو جس سے مراد یہی تھی کہ ان میں ایسے مامور کے آنے کا ذکر ہے جو دجال کو قتل یعنی اس کی دعوت کی تردید کرکے بے اثر کر دیگا اسے نہ بھولنا اور جب آئے تو اس پر ایمان لانا اور یہی دجالی فتنہ سے بچنے کا اصل طریق ہوگا۔ حضور کا یہ ارشاد اس حدیث میں ہے :۔

احمد اور مسلم اور نسائی نے ابو الدرداؓ سے روایت کی ہے کہ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَرَأَ عَشْرَ الْاَوَاخِرِ مِنْ سورۃ الکھف عُصِمَ مِنْ فتنۃ الدجال (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۴۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سورہ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں (اور ان پر عمل کیا) وہ دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا۔

ایک اور حدیث پہلی دس آیتوں کے متعلق بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل ابو الدرداء سے روایت کرتے ہیں کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حفظ عشر آیاتٍ من اوّلِ سورۃِ الکھف عُصِم من الدجال (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۴۹)

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورہ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد کرلیں وہ دجال سے محفوظ کیا گیا۔ یعنی ایسے حالات میں بھی ایمان پر قائم رہنے سے سبق حاصل کرے۔ دجال کے فتنہ کے وقت اسے یاد رکھنے کی بہت ضرورت ہے۔

چوتھی پیشگوئی: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (مزمل)

ترجمہ۔ ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے اسی طرح جس طرح ہم نے فرعون کی طرف بھیجا تھا۔

دراصل اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل موسےٰ ہونے کا ذکر اس کے مطابق ہے جو استثناء باب ۱۸ آیت ۱۹-۲۰ میں پیشگوئی ہے کہ "میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے

فرماؤں گا وہ سب اُن سے کہیگا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہیگا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔"

قرآن کریم نے کما کا لفظ استعمال فرمایا ہے (یعنی اس جیسا) اور تورات نے تجھ سا کے لفظ استعمال کیے ہیں جو دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور ان الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کامل مشابہت تبانی مقصود ہے۔ یہ مشابہت نہ صرف خدا کے ان دونوں برگزیدوں کے حالات میں تھی بلکہ ان کے سلسلوں میں بھی ہونی تھی۔ دونوں کے آنے کے وقت فساد اور خرابی بے حد تھی۔ پھر دونوں کی زندگی میں ہی اللہ تعالےٰ نے ان حالات کو بدل کر انہیں غلبہ عطا فرمایا۔ دونوں کے سامنے ہی مقابلہ میں آنے والی طاقتیں تباہ و ہلاک ہوئیں۔ دونوں کی جلالی شان بھی خوب تھی گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمہ صفت موصوف تھے اس لیے آپ میں جمالی شان کا بھی کامل طور پر اظہار ہوا۔ پھر دونوں کے سلسلوں میں خلفاء آتے رہے جنہوں نے ان کے کام کو جاری رکھا۔ موسوی سلسلہ میں قریباً تیرہ سو سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے۔ جنہوں نے بھی یہی دعویٰ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ کے طور پر ان کے کام کی تکمیل کے لیے آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:-

"یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ

جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جاوے" (متی باب ۵ آیت ۱۷-۱۸)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام چودھویں صدی کے آغاز میں آئے اور آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر تھے اور اس آیت قرآنی کے مصداق اتم :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (نور ع ۷)

ترجمہ: اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنا دیگا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا دیا تھا۔ اور جو دین اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے وہ ان کے لیے اسے مضبوطی سے قائم کر دے گا اور ان کی خوف کی حالت کو امن کی حالت میں تبدیل کر دیگا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار پائیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ میں خلفاء کا آنا اسی طرح

بتایا ہے جس طرح موسوی سلسلہ میں تھا۔ وہاں حضرت مسیحؑ آئے تو اسی عرصہ بعد یہاں حضرت مسیح موعودؑ آئے۔ دونوں کا کام دین کو مضبوط کرنا اور خوف کی حالت کو امن سے بدلنا تھا۔ اگلے حصہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلفاء کی شناخت بتائی ہے کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا نہایت مضبوط تعلق ہوتا ہے اور دنیا ان کو اپنے مشن میں ناکام کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ یہ بھی بتایا کہ ان کا انکار کرنے والے خدا کے نافرمان ٹھہرائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں اور مقامات پر بھی حضرت مسیح موعودؑ کے آنے کی پیشگوئیاں ہیں لیکن جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے پیشگوئیوں میں اخفاء کا پہلو ضرور ہوتا ہے اور ان کے سمجھنے کے لیے غور و فکر اور تقویٰ کی ضرورت ہوتی ہے۔

# باب دوم

## حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کے متعلق حدیثوں میں پیشگوئیاں

اس بارہ میں حدیثیں کثرت سے ہیں۔ یہاں صرف چند ایک بیان کی جاتی ہیں:۔

۱۔ عن مالك عن نافعٍ عن عبد الله ابن عمرؓ انّ رسول اللهِ صلّی الله علیه وسلّم قال اَرَانِي اللیلةَ عند الکعبةِ فرأیتُ رجلاً اٰدَمَ کَاَحْسَنِ مَا انت راءٍ من اُدْمِ الرجالِ له لِمَّةٌ کاَحْسَنِ مَا اَنت راءٍ من اللِمَمِ قد رَجلّها فهی تقطر ماءً متکئاً علی رَجلَیْنِ او علی عواتق رجلین یطوف بالکعبة فسألتُ من هٰذا۔ قیل هذا المسیح ابن مریم۔ ثمّ اذا انا برجلٍ جَعْدٍ قَطِطٍ اعور العین الیمین کانها عنبة طافیة فسألتُ مَنْ هذا۔ فقیل لی هذا المسیح الدجال۔

(موطأ امام مالک۔ جلد ۲ کتاب الجامع)

ترجمہ: امام مالک، نافع سے اور نافع عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک رات اپنے آپ کو

کعبہ کے پاس دیکھا (یعنی رویاء میں) پس میں نے دیکھا ایک آدمی کو جو گندمی رنگ کا تھا بہترین گندمی رنگ جو کسی نے دیکھا ہو۔ اس کے بال کندھوں تک تھے۔ بہترین بال جو کسی نے دیکھے ہوں۔ اس نے کنگھی کی ہوئی تھی۔ اور ان سے پانی کے قطرے ٹپکتے تھے۔ اس نے دو آدمیوں پر یا ان کے کندھوں پر ٹیک لگائی ہوئی تھی اور کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہے۔ پھر میں نے ایک اور شخص کو دیکھا جس کے بال بہت گھنگریالے تھے۔ وہ دائیں آنکھ سے کانا تھا گویا کہ وہ آنکھ پھولا ہوا انگور ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کہا گیا کہ یہ مسیح الدجال ہے۔

۲۔ اَنَّ سعید ابن المُسیّب سمع اباھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ لیوشکنّ ان یَنْزِل فیکم ابن مریمَ حَکَماً عَدْلاً فیکسر الصلیبَ ویقتل الخنزیرَ ویضع الجزیۃ ویفیض المالَ حتیٰ لا یقبلہ احدٌ حتیٰ تکونَ السَّجْدَۃُ الواحدۃ خیراً من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابوھریرۃ واقرؤا ان شئتم وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا۔

(بخاری کتاب بدء الخلق۔ باب نزول عیسیٰ ابن مریم پ ۱۳)

ترجمہ: سعید ابن مسیب نے ابوہریرہ کو کہتے سنا کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ وقت قریب ہے
کہ تم میں عیسیٰ ابن مریم آئے گا جو انصاف کے ساتھ صحیح فیصلے کریگا۔
وہ صلیب کو توڑ یگا اور خنزیر کو مار ڈالیگا اور جزیہ کو موقوف کردے گا۔
اور اتنا مال تقسیم کریگا کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ اس وقت ایک
سجدہ دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہوگا۔ پھر ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اگر تم چاہو
تو یہ آیت پڑھ لو وَاِنْ مِّنْ اَہْلِ الْکِتَابِ الخ۔

۳- انّ اباھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وَ اماکم منکم
تابعہ عقیلٌ والاوزاعی (بخاری۔ حدیث نمبر۲ والا حوالہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارا
کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم آئے گا اور وہ تم میں سے تمہارا امام
ہوگا۔ اس حدیث کو یونس کے علاوہ عقیل اور اوزاعی نے بھی روایت
کیا ہے۔

۴- عن عبد اللّٰہ ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ
وسلم ینزل عیسی ابن مریم الی الارض فیتزوّج و
یولد لہ و یمکث خمساً و اربعین سنۃ ثمّ یموت
ویدفن معی فی قبری نا قوم انا و عیسٰی ابن مریم فی قبرٍ
واحدٍ بین ابی بکر و عمر۔ رواہ ابن الجوزی فی کتاب
الوفا۔ (کتاب الوفاء بحوالہ مشکوٰۃ)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم زمین پر آئے گا پھر وہ شادی کریگا اور اس کی اولاد ہو گی اور وہ ۴۵ سال رہے گا۔ پھر وہ فوت ہو جائے گا اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن کیا جائے گا۔ پس میں اور عیسےٰ ابن مریم ایک ہی قبر سے ابوبکر اور عمرؓ کے درمیان اٹھیں گے۔ اس کو ابن الجوزی نے کتاب الوفاء میں روایت کیا ہے۔

۵۔ عن نافعٍ قال عبد اللّٰہ ابن عمر ذکر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یومًا بین ظہری الناس المسیح الدجال فقال انّ اللّٰہ لیس باعور الا ان المسیح الدجال اعورُ العین الیمنی کان عینہ عِنَبَۃٌ طافیۃٌ وارانی اللیۃ عند الکعبۃ فی المنام فاذا رجل آدمُ کاحسن ما یری من اُدُم الرجال تضرب لمتہ بین منکبیہ رجل الشعر یَقْطُر راسہ ماءً وَاضِعًا یدیہ علیٰ منکبی رَجُلَیْنِ وَھُوَ یطوف بالبیت فقلت من ھذا فقالوا ھذا المسیح ابن مریم۔ ثم رأیت رجلاً وَرَاءَہ جعْدًا قطط اعور عین الیمنی کاشبہ من رأیت بابن قطنٍ واضعًا یدیہ علی منکبی رجلٍ یطوف بالبیت فقلت من ھذا قالوا المسیح الدجال تابعہ عبید اللّٰہ عن نافع۔

(بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۳ پارہ ۱۳)

ترجمہ:۔ نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز لوگوں میں بیٹھے ہوئے مسیح الدجال کا ذکر فرمایا آپ نے فرمایا کہ اللہ کانا نہیں ہے لیکن مسیح الدجال دائیں آنکھ سے کانا ہے گویا اس کی آنکھ ایک پھولے ہوئے انگور کی طرح ہے۔ اور ایک رات میں نے خواب میں اپنے آپ کو کعبہ کے پاس دیکھا تو وہاں ایک آدمی گندمی رنگ کا تھا اور اس رنگ والوں میں سے بہترین رنگ کا تھا۔ اس کے بال کندھوں تک سیدھے تھے اس نے کنگھی کی ہوئی تھی۔ اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے دو آدمیوں کے کندھوں پر سہارا لیا ہوا تھا۔ اور بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ انہوں نے کہا یہ مسیح ابن مریم ہے۔ پھر میں نے ایک آدمی دیکھا جو اس کے پیچھے تھا۔ وہ سخت گھنگریالے بالوں والا تھا اور دائیں آنکھ سے کانا تھا۔ میں نے جو آدمی دیکھے ہوئے ہیں ان میں سے وہ ابن قطن کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا تھا (اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور وہ جاہلیت کے زمانہ میں ہی مر گیا تھا) اس نے اپنے دونوں ہاتھ ایک آدمی کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے اور کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے تو انہوں نے کہا یہ مسیح الدجال ہے۔ اس حدیث کو عبیداللہ نے بن نافع سے روایت کیا ہے۔

(۶) عن سالم عن ابیہ (عبد اللہ بن عمرؓ) قال لا واللہ ما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعیسٰی احمرُ ولکن قال بینما انا نائم

اطوف الکعبۃ فاذا رجلٌ آدمُ سَبِطُ الشعرِ یُھادی بین رجلین ینطف راسہ ماءً او یھراق راسہٗ ماءً فقلتُ من ھذا قالوا ابن مریم فذھبتُ التفتُ فاذا رجلٌ احمرُ جسیم جعد الراس اعور عین الیمنی کانَ عینہ عنبۃ طافیۃ قلت من ھذا قالوا ھٰذا الدجالُ واقرب الناس بہ شبھا ابن قطنٍ قال الزھری رجلٌ من خزاعۃ ملک فی الجاھلیۃ۔

(بخاری کتاب بدء الخلق جلد ۳ پارہ ۱۳۵)

ترجمہ: سالم نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے کہا خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ کو سرخ رنگ والا نہیں کہا (جو ان کا اصل رنگ تھا جب وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے) بلکہ آپ نے فرمایا کہ میں نے رویا میں خانہ کعبہ کا طواف کیا تو ایک گندمی رنگ والے آدمی کو دیکھا جس کے سر کے بال لمبے اور سیدھے تھے وہ دو آدمیوں کے سہارے چل رہا تھا۔ اس کے سر سے تھوڑا تھوڑا پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ ابن مریم ہے۔ پھر میں اور طرف دیکھتا ہوا چل پڑا تو ایک سُرخ رنگ کا بھاری بھرکم آدمی دیکھا جس کے سر کے بال گھنگریالے تھے وہ دائیں آنکھ سے کانا تھا گویا اس کی آنکھ پھولا ہوا انگور تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے۔ لوگوں نے کہا یہ دجال ہے اس کی شکل ابن قطن سے زیادہ ملتی تھی۔ زہری کہتا

ہے یہ ایک شخص قبیلہ خزاعہ سے تھا جو جاہلیت کے زمانہ میں مرگیا۔

۷۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً مقسطاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد۔

(مسلم مترجم مع شرح جلد اول ثانی باب بیان نزول عیسیٰ)

ترجمہ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں عیسےٰ ابن مریم آئے جو فیصلے کرنے والا ہو گا انصاف کے ساتھ۔ پس وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا اور جزیہ کو موقوف کردے گا اور اتنا مال دیگا کہ لوگ لینے سے انکار کردیں گے۔

۸۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔

(مسلم۔ پورا حوالہ مطابق حدیث نمبر ۷ بالا)

ترجمہ:۔ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا حال ہو گا جب تم میں ابن مریم آئے گا اور وہ تم میں سے ہی تمہارا امام ہو گا۔

۹۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامکم (مسلم ۷)

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم آئے گا وہ تمہاری امامت کریگا۔

۱۰۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم فامکم منکم فقلت لابن ابی ذئب ان الاوزاعی حدثنا عن الزھری عن نافع عن ابی ھریرۃ وامامکم منکم قال ابن ابی ذئب ھل تدری ما امکم منکم قلت تخبرنی قال فامکم بکتاب ربکم عزوجل و سنۃ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مسلم۔ پورا حوالہ مطابق حدیث نمبر ۷ بالا)

ترجمہ: ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم آئیگا پس تم میں تمہاری امامت کریگا (ولید بن مسلم کہتا ہے) میں نے ابن ابی ذئب سے کہا کہ ہمارے پاس اوزاعی نے زہری سے اور اس نے نافع سے اور اس نے ابوہریرہ سے یہ روایت کی ہے کہ وہ (عیسٰےؑ) تم میں سے تمہارا امام ہوگا تمہارے رب کی کتاب کے ساتھ (یعنی قرآن کریم کے ساتھ) اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ۔

اس جگہ امام نودی کے نوٹ کا ترجمہ دیا جاتا ہے:۔

"یعنی تابع ہونگے شریعت محمدی کے اور پیروی کریں گے قرآن اور حدیث کی۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام اگرچہ پیغمبر ہیں لیکن ان کی پیغمبری کا زمانہ

ہمارے پیغمبر کے ظہور پر ختم ہوگیا۔ اب جو وہ دنیا میں آئیں گے تو ہمارے پیغمبر کی امت میں شریک ہو کر قرآن اور حدیث کے موافق عمل کریں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خود مجتہد مطلق ہوں گے اور قرآن وحدیث سے احکام نکالیں گے اور کسی مجتہد کے تابع نہ ہوں گے۔ اور یہ بات بعید از عقل ہے کہ کوئی پیغمبر ایک مجتہد کا مقلد ہو۔ اور باطل ہے وہ خیال حنفیہ کا کہ عیسےٰ امام ابو حنیفہ کے مذہب پر چلیں گے بلکہ ایسے خیال میں توہین حضرت عیسےٰ کی نکلتی ہے اور جن حنفیہ نے ایسا خیال کیا ہے ان کا علمائے محققین نے ردّ کیا ہے اور خود حنفی مذہب کے علماء نے اس کو باطل قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ قول کہ امام مہدی ابو حنیفہ کے مقلد ہونگے یا حضرت ابو حنیفہ کے شاگرد تھے یہ سب خرافات ہیں جن پر ایک دلیل بھی کتاب وسنت یا عقل سلیم سے نہیں۔ اور تعجب ہے ان علماء پر جنہوں نے بے سمجھے بوجھے ایسی بیہودہ باتوں کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور جاہل ان باتوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ جل جلالہ سے امید ہے کہ حضرت مہدی اور حضرت عیسےٰ دونوں قرآن اور حدیث کے پیرو اور تابع ہونگے اور اہل حدیث کے ممد و معاون ہوں گے۔ اور مجتہدین کے اختلافات بالکل اٹھا دیں گے اور جو متعصب مقلّد ان کا کہا نہ مانیں گے وہ ذلیل خوار ہونگے ....."

۱۱۔ عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر الدجال بین ظہرانی الناس فقال ان اللہ تبارک

وتعالیٰ لیس باعور الا ان المسیح الدجال اعور العین الیمنیٰ کان عنبہ طافیۃ۔

(مسلم - باب ذکر الدجال - جلد ششم جو آخری جلد ہے)

ترجمہ: عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے دجال کا ذکر فرمایا اور کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کانا نہیں ہے مگر مسیح الدجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا گویا اس کی آنکھ پھولا ہوا انگور ہے (حضور نے دجال کے دعویٰ الوہیت کی وجہ سے یہ فرمایا)

اس حدیث کی جو شرح امام نووی نے کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:-

"قاضی عیاض نے کہا امام مسلم نے اس باب میں جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ اہل حق کی دلیل ہیں کہ دجال موجود ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بھیجکر اپنے بندوں کو آزمائے گا اس طرح سے کہ وہ اس کو قدرت دے گا بڑے بڑے کاموں کی جیسے مُردوں کو جلانا، پانی کا برسانا، زمین کے خزانے نکالنا۔ یہ سب کام اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ اس کو عاجز کر دیگا اور وہ کسی کو قتل نہ کر سکے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ اس کو قتل کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط رکھیگا۔ یہ مذہب ہے اہل سنت کا اور تمام محدثین اور فقہاء کا اور خوارج اور جہمیہ نے اس کا انکار کیا ہے ....."

۱۲- صحیح مسلم میں ایک لمبی حدیث نواس بن سمعان رضؓ سے مروی ہے جس میں

پہلے دجال کے خروج کا ذکر ہے اور پھر عیسےٰ ابن مریم کے نزول کا۔ اس دوسرے حصّہ کا صرف ترجمہ دیا جاتا ہے۔ عربی الفاظ دینے کی گنجائش نہیں۔

"غرض دجال اس طرح اپنے کاموں میں مشغول ہوگا کہ اچانک اللہ تعالےٰ مسیح ابن مریم کو بھیجیگا جو دمشق کے مشرق میں سفید منارہ پر نازل ہونگے اس وقت حضرت عیسےٰ نے دو زرد رنگ کی چادریں پہنی ہونگی اور دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہونگے۔ وہ اپنا سر جھکائینگے کہ ان کے پسینے کے قطرات گریں گے اور جب اوپر کو اٹھائیں گے تو بالوں سے قطرات چاندی کے دانوں کی طرح گریں گے جیسے موتی ہوتے ہیں اور کسی کافر کے لیے ممکن نہیں کہ ان کے دم کی ہوا پاکر جیتا رہے بلکہ فی الفور مرجھا جائے گا اور دم ان کا حد نظر تک پہنچیگا۔ پھر ابن مریم دجال کی تلاش میں لگیں گے اور اسے لُدّ کے دروازہ پر پائیں گے اور مار ڈالیں گے۔ پھر عیسیٰ کے پاس ایک قوم آئے گی جس کو خدا نے دجال سے محفوظ کیا ہوگا۔ حضرت عیسےٰ ان کے چہروں سے گرد و غبار صاف کریں گے اور انہیں ان کے جنت میں درجات بتائیں گے۔ اس وقت اللہ تعالےٰ عیسےٰ کو وحی کریگا کہ میں نے کچھ لوگ ایسے پیدا کیے ہیں جن سے لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ تم میرے بندوں کو کوہ طور کی طرف لے جاؤ تاکہ ان کی حفاظت ہو۔ پھر خدا تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا جو ہر اونچی زمین سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ ان کی سب سے پہلی جماعت طبریہ

کے تالاب پر پہنچے گی اور اس کا سارا پانی پی جائے گی۔ پھر یاجوج ماجوج کی ایک اور جماعت ادھر سے گذریگی اور تالاب کو خالی دیکھ کر کہیگی اس میں کبھی پانی تھا۔ اس کے بعد یاجوج ماجوج آگے بڑھیں گے اور جبل خمر پر پہنچیں گے جو بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے اور وہاں ٹھہر کر کہیں گے کہ زمین پر جو لوگ تھے ان کو تو ہم نے مار ڈالا۔ آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں۔ پس وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اور خدا ان کے تیروں کو خون آلود کر کے گرا دیگا۔ اور خدا کے نبی عیسےٰ اور ان کے ساتھی کوہ طور پر رو کے جائیں گے جہاں ان کی حالت (بھوک کی وجہ سے) یہاں تک پہنچ جائیگی کہ ان میں سے ہر شخص کے نزدیک بیل کا سر سو دینار سے بہتر ہوگا۔ جو آج تمہارے نزدیک اس کی قیمت ہے۔ تب عیسیٰ نبی اللہ اور اس کے اصحاب خدا سے دعا کریں گے اور اس سے اللہ تعالےٰ یاجوج ماجوج پر کیڑوں کا عذاب نازل کریگا جو ان کی گردنوں میں پڑ جائینگے اور وہ سب ایک دم مر جائیں گے۔ پھر عیسیٰ نبی اللہ اور ان کے اصحاب زمین پر اُتر آئیں گے لیکن اس پر ایک بالشت ٹکڑا بھی ایسا نہ پائینگے جو یاجوج ماجوج کی چربی اور بُو سے محفوظ ہو۔ پھر عیسےٰ نبی اللہ اور ان کے اصحاب خدا کی طرف جھکیں گے (یعنی دعا کریں گے) اس پر خدا تعالےٰ پرندے بھیجیگا جن کی گردنیں خراسانی اونٹ کی طرح ہونگی۔ یہ پرندے یاجوج ماجوج کی نعشوں کو اٹھا لے جائیں اور جہاں خدا کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دینگے۔" الخ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال)

اس قسم کی بیسیوں حدیثیں اور ہیں جو کتب احادیث میں درج ہیں۔ ان حدیثوں سے یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسمیں اُٹھا اُٹھا کر بیان فرمایا ہے کہ نزول عیسٰے ہوگا اور وہ آکر کسر صلیب کریگا اور خنزیر کو قتل کرے گا اور دجال بھی اس کے ہاتھوں قتل ہوگا۔ اس آنے والے مسیح کا آپ نے حلیہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کا رنگ نہایت اعلیٰ درجہ کا گندمی ہوگا اور اس کے بال سیدھے اور لمبے ہونگے۔ اس کے بالمقابل مسیح ناصری کا حلیہ آپ کی اس حدیث میں بیان ہوا ہے:-

۱۳- رَأَیْتُ عیسٰے وموسٰی وابراھیم فامّا عیسٰی فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عریض الصَّدْرِ واَمّا موسٰی فَآدَمُ جَسِیْمٌ سَبْطُ الشَّعَرِ کانه مِن رجالِ الزُّطِّ وَاَمّا ابراھیم فانظروا الی صاحِبِکم (بخاری کتاب بدء الخلق)

ترجمہ:- میں نے رویاء میں عیسٰےؑ اور موسٰیؑ اور ابراہیمؑ کو دیکھا۔ عیسٰیؑ سُرخ رنگ کے تھے اور ان کے بال گھنگر والے تھے اور سینہ چوڑا۔ موسٰےؑ گندم گوں تھے اور ان کا جسم بھاری تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے قبیلہ زطّ کا کوئی شخص ہے۔ اور ابراہیم کو دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو۔

نزول عیسٰے سے کیا مراد ہے اور کسر صلیب۔ قتل خنزیر اور قتل دجال کے کیا معنے ہیں۔ ان تمام امور کا ذکر الگ باب میں کیا جائیگا۔

## باب سوم

# بزرگانِ دین اور علمائے اُمت کا نزولِ مسیح کے عقیدہ پر قائم ہونا

امت کے تمام بزرگ اور علماء اس عقیدہ پر قائم رہے کہ مسیح ابن مریم آئیں گے اور دجال کا مقابلہ کرینگے اور دین اسلام کو باقی تمام دینوں پر غالب کریں گے۔ امام بخاری اور مسلم نے نزول مسیح کی حدیثیں درج کر کے اپنے اس عقیدہ کا بھی اظہار کیا ہے۔ اس انتخاب میں جو احادیث کے بڑے ذخیرہ سے کیا گیا وہ ایسی حدیثیں بھی لائے جن سے نزول مسیح کے اصل معنے بھی سمجھ آسکتے ہیں۔ امام بخاری نے چھ لاکھ کے قریب احادیث اکٹھی کی تھیں جس کے لیے انہیں بے انتہا جاں فشانی کرنی پڑی لیکن ان میں سے اپنی صحیح میں صرف ۲۷۶۱ حدیثیں (مکررات کو نکال کر) درج کیں اور کچھ ایسی درج کیں جو صحابہ کرام کے علاوہ اوروں سے مروی تھیں۔ اس احتیاط اور چھان بین کی وجہ سے وہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہلانے کی مستحق ٹھہری۔ امام مسلم نے بھی قریباً تین لاکھ روایات میں سے چار ہزار حدیثوں کا انتخاب اپنی صحیح کے لیے کیا اور وہ صحت کے لحاظ سے بخاری کے بعد دوسرے نمبر پر شمار ہوئی۔ یہ دونوں بزرگ امامکم منکم

والی حدیث کو اپنی کتابوں میں لائے جو بتا رہی ہے کہ آنے والا مسیح امت محمدیہ میں سے ہوگا نہ کہ باہر سے آئے گا۔

امام مالکؒ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے زیادہ قریب تھے صرف ایک حدیث عیسٰےؑ ابن مریم کے متعلق اپنی موطا میں درج کی جس میں یہ بتایا گیا کہ مسیح کا نزول دجال کے وقت میں ہوگا اور یہ مسیح وہ پہلا اسرائیلی مسیح نہیں ہوگا جس کا حلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ رنگ اور گھنگریالے بال بتایا ہے اور جس کی تصدیق تاریخ بھی کرتی ہے بلکہ اس کا رنگ گندم گوں اور بال سیدھے اور لمبے ہونگے۔

امام مالکؒ نے بھی ایک لاکھ روایات جمع کرنے کے بعد ان میں سے صرف ۱۰۲۷ اپنی موطا میں درج کیں۔ جن میں عیسٰےؑ ابن مریم کے متعلق صرف یہی حدیث ہے۔ امام مالک صرف چار اماموں میں سے ہی ایک نہیں بلکہ امام شافعی کے استاد بھی تھے۔

امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح لکھی ہے۔ دو حدیثوں کے تحت ان کی شرح پہلے درج کی جا چکی ہے۔ انہوں نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ساری امت اس عقیدہ پر متفق رہی ہے کہ حضرت مسیح آئیں گے۔ لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہو جائیں گے اور قرآن کریم کی متابعت اختیار کریں گے۔ بہر حال ان کے آنے کو ختم نبوت کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اگرچہ اس کی مطابقت کے لیے انہیں امتی اور تابع شریعت محمدی بنا دیا گیا۔ گویا ان کے نزدیک بھی ایک نبی کا امتی اور تابع شریعت محمدی ہو کر آنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے میں رخنہ انداز نہیں۔
اس بارہ میں چند ایک اور علماء کے حوالے بھی دیئے جاتے ہیں۔
حضرت محی الدین ابن عربی اپنے مشہور کتاب فتوحات مکیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

و لهذا قال الترمذی انه یکون من امة محمد صلی الله علیه وسلم مَن هو افضل مِن ابی بکر الصدیق عند ما یَرَی انه افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم من المسلمین فانّه معلوم ان عیسٰے افضل من ابی بکر وهو من امة محمد صلی الله علیه وسلم ومُتّبعیه وانما ذکرناه لِیکونَ الخصم یَعلمُ انّه لابُد ان ینزل فی هذه الامة فی آخر الزمان ویحکم بسنّة محمّدٍ صلی الله علیه وسلم مثلَ ما حَکَمَ الخلفاءُ المهدیون الراشدون فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویدخل بدخوله من اهل الکتاب فی الاسلام خلقٌ کثیرٌ ایضاً (فتوحات مکیہ جلد ۲ صـ ۱۲۵)

ترجمہ: ترمذی نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں تو اس نے کہا کہ امت محمدی میں ایک ایسا شخص بھی ہوگا جو ابوبکر سے افضل ہوگا کیونکہ یہ سب کو علم ہے کہ عیسٰے ابوبکر سے افضل ہونگے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اور آپ کے

متبعین میں سے ہونگے ۔ہم نے یہ بات جھگڑا ہونے کی وجہ سے ذکر کی ہے۔ترمذی جانتا تھا کہ حضرت عیسٰے اس امت میں آخری زمانہ میں نازل ہونگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلے کریں گے جس طرح خلفائے راشدین مہدیین نے کئے اور وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔اوران کے اسلام میں داخل ہونے سے اہل کتاب میں سے بھی خلق کثیر مسلمان ہو جائے گی۔

حضرت محی الدین ابن عربی ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے اس جھگڑے یا اِغلاق کو اس طرح بھی حل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں غیر تشریعی نبی آسکتا ہے اور اس میں ختم نبوت کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتی۔آپ کے تشریف لانے سے صرف تشریعی نبوت بند ہوئی ہے کیونکہ آخری شریعت قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دیا جس کے بعد کسی وقت بھی کسی اور شریعت کی ضرورت پیدا نہ ہوگی۔ اور قیامت تک قرآن کریم ہی سارے انسانوں کی ہر قسم کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔اس عقیدہ کے رکھنے والے بزرگوں اور علماء کی تعداد بھی کوئی کم نہیں۔ان کا ذکر علیحدہ باب میں کیا جائیگا۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:۔

وامّا الیوم فالالیاس والخضر علی شریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اما بحکم الوفاق او الحکم الاتباع وعلٰی کل حالٍ فلا یکون لھما ذٰلک الّا علی سبیل

التعریف لا علی طریق النبوۃ وکذلک عیسٰے اذا نزل الی الارض لا یحکم فینا الا بشریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعرفہ الحق تعالیٰ علی طریق التعریف وان کان نبیاً۔ (الیواقیت والجواہر ص۳۸)

اس میں علامہ شعرانی نے کہا ہے کہ جس طرح اس زمانہ میں الیاس اور خضر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہیں اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی جب ہم میں نازل ہونگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اگرچہ وہ نبی ہونگے۔

علامہ موصوف نے حضرت الیاس اور خضر کی مثال اس لیے دی ہے کہ ان دونوں کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الیاس کے متعلق (جنہیں انجیل میں ایلیاہ کہا گیا ہے) بتادیا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں (دیکھیں متی باب ۱۱ آیت ۱۴، ۱۵) اور خضر کا نام قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ بہرحال بعض لوگوں کے عقیدہ کے لحاظ سے علامہ موصوف نے ان دو کی مثال دیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کو واضح کرنے کی کوشش کی۔

علامہ شعرانی بھی ان علماء میں داخل ہیں جن کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں غیر تشریعی نبی آسکتے ہیں جن کا ذکر آگے کیا جائیگا۔

مشہور شیعہ عالم مرزا ابوالفضل نزول عیسیٰ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"در شرح دیوان از بعضے نقل کردہ کہ روحِ عیسیٰ در مہدی بروز

کنند و نزول عیسیٰ عبارت ازیں نزول است و مطابق ایں است حدیث لا مھدی الّا عیسیٰ"۔ (النجم الثاقب ص۴۳)

یعنی شرح دیوان میں بعض نے کہا ہے کہ عیسیٰ کی روح مہدی میں بروز کرے گی۔ اور نزول عیسیٰ سے یہی مراد ہے اور یہ اس حدیث کے مطابق ہے کہ عیسیٰ ابن مریم ہی مہدی ہوگا۔ گویا یہ عالم بھی باقیوں کی طرح نزول عیسیٰ کے قائل ہیں لیکن ان کا آنا بروزی رنگ میں مانتے ہیں جو زیادہ معقول ہے۔

علامہ سید محمد رشید رضاء ایڈیٹر "المنار" جو زمانہ حاضرہ کے جیّد علماء میں شمار ہوتے ہیں لکھتے ہیں:۔

"محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم مبعوث الیٰ جمیع الثقلین فرسالتہ عامۃ للجنّ والانس فی کلّ زمانٍ۔ لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیّین لکانا من اتباعہ۔ فاذا نزل عیسیٰ ابنُ مریمَ فانّما یحکم بشریعۃ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ فمن ادّعیٰ انّہ مع محمّدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کالخضر مع موسیٰ اوجوّز ذٰلک لِاحدٍ من الاُمّۃ فلیجدّد اسلامہ۔

(مدارج السالکین جز ثانی ص ۲۷۳/۲۶۳ مطبوعہ مصر ۱۳۳۲ھ)

ترجمہ: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ پس آپ کی نبوت تمام جنّوں اور انسانوں کے لیے تمام زمانوں میں ہے۔ اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی آپ کے متبعین ہی سے

ہوتے۔ اور جب عیسٰے نازل ہونگے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ پس جو شخص یہ دعوی کرے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح ہونگے جس طرح موسیٰ کے ساتھ خضر تھے یا اسے کسی اور شخص کے لیے بھی جائز سمجھے تو وہ مسلمان نہیں رہتا اور اسے پھر اسلام قبول کرنا چاہیئے۔

علامہ رشید رضا نے یہاں وہ حدیث بھی دیدی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسٰے علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح فوت ہو چکے ہیں ورنہ ان دونوں کو ایک ہی حکم میں نہ رکھا جاتا۔ اور پھر آگے نزول عیسیٰ کا ذکر بھی کر دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہونگے۔ اور اگر کوئی ایسا نہ سمجھے بلکہ ان کو محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرار دے جیسے اپنی شریعت پر خضر موسیٰ کے ساتھ تھے یا کسی امتی کی آپ کے ساتھ شریعت میں معیت کا قائل ہو تو وہ تجدید اسلام کرے کیونکہ وہ مسلمان نہیں رہتا۔

الغرض سب بزرگ علماء شروع سے یہ مانتے رہے کہ جو عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں نازل ہونگے اور دجال کا مقابلہ کریں گے ان کا ظہور ختم نبوت کے منافی نہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک بڑے حصّے نے یہ لکھ دیا کہ امتی اور غیر تشریعی نبی کے آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہ حوالے آگے جا کر دئے جائیں گے۔

---

# باب چہارم

## وفاتِ مسیحؑ۔ از روئے قرآن مجید

نزول مسیح کے متعلق قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود آئیں گے اور علماء کے اقوال بتاتے ہیں کہ ساری امت اسے مانتی بھی رہی ہے۔ لیکن اگر قرآن کریم سے یہ بالوضاحت ثابت ہو کہ حضرت عیسٰے مسیح ناصری علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور حدیثیں بھی اس کی تائید کرتی ہوں اور بعض سابقہ علماء نے بھی یہی عقیدہ رکھا ہو اور عصر حاضر کے بعض جید علماء نے بھی یہی مانا ہو کہ حضرت عیسٰی فوت ہو چکے ہیں تو پھر ان پیشگوئیوں کا اصل مفہوم سمجھنا پڑے گا۔ یہ طریق یقیناً غلط ہو گا کہ ہم اس صورت میں نزول مسیح کی پیشگوئیوں سے ہی انکار کر دیں بلکہ ان کا اصل مطلب دیکھنا پڑے گا تا کہ ان پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے کا انکار نہ کر بیٹھیں اور اس طرح سے خدا تعالیٰ کی گرفت میں نہ آجائیں۔

حیات یا وفات مسیح پر غور کرنے کے لیے سب سے پہلے ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس بارہ میں کیا فرماتا ہے:۔

قرآن کریم میں تین مقامات پر حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کا

ذکر ان کے متعلق بعض واقعات کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں :-

(ا)

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ۭ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (مائدہ آخری رکوع)

ترجمہ: اور جب خدا تعالےٰ فرمائے گا اے عیسےٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو اللہ کے سوا۔ وہ جواب دیگا تو پاک ہے۔ میں ایسی بات کس طرح کہہ سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق نہیں تھا۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو اس کا علم ہوگا۔ آپ تو میرے نفس کی ہر بات کو جانتے ہیں اگرچہ

میں آپ کے نفس کی بات کو نہیں جانتا۔ آپ سب غیبوں کو خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ میں نے ان کو نہیں کہا مگر وہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ اور میں ان پر نگران رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے وفات دیدی تو آپ ہی ان پر نگران تھے اور آپ ہر چیز پر نگران ہیں۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ مکالمہ قیامت کے دن ہوگا۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں میرے ماننے والوں یعنی عیسائیوں نے ایسا نہیں کیا کہ وہ خدا کے علاوہ دو اور خدا بنا لیتے اور نہ ہی میں نے ان کو یہ تعلیم دی تھی بلکہ میں نے تو انہیں یہی کہا تھا کہ وہ ایک خدا کی پرستش کریں لیکن مجھے اپنے بعد کا علم نہیں کہ انہوں نے کیا کیا۔ اس وقت سے تو اے خدا وہ تیری نگرانی میں چلے آرہے ہیں۔ میری نگرانی تو میری وفات سے ختم ہو چکی تھی۔ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے دوبارہ دنیا میں آکر قوم کی اصلاح کرنا ہوتی تو پھر وہ یہ جواب نہیں دے سکتے کہ میری وفات کے بعد میری قوم سے نگرانی اُٹھ گئی اور اس وقت سے وہ اے خدا تیری ہی نگرانی میں چلے آرہے ہیں۔ اگر وہ دنیا میں آنے پر انہیں دیکھتے تو یقیناً یہ علم ہو جاتا اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ عیسائی قوم تو ایک خدا کی بجائے تین خدا بنا چکی ہے مگر انہیں قیامت کے دن تک اس بات کا کوئی علم نہیں ہوگا کہ ان کے بعد ان کی قوم بگڑ چکی تھی۔ پس اس سوال و جواب سے دونوں باتیں ثابت ہو گئیں۔ اوّل

آپ وفات پا چکے ہیں۔ دوم آپ اس دنیا میں دوبارہ نہیں آئیں گے۔
اگر آپ وفات نہ پا چکے ہوتے اور دوبارہ دنیا میں آنے کے بعد وفات
پاتے اور پھر قیامت کے دن اٹھائے جاتے تو اس طرح لاعلمی کا اظہار
نہ فرما سکتے۔ اگر کوئی شخص کہے یہ سوال وجواب خدا تعالیٰ اور مسیح علیہ السلام
کے درمیان نزول قرآن سے پہلے ہو چکا ہے تو اس صورت میں بھی نزول قرآن
سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے جواب اور اقرار کے رو سے ان کا
وفات پا جانا ہی ثابت ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے کسی انسان کو توفی کرنے
کے معنی اسے وفات دینے کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتے جب تک دوسرے
معنوں کے لیے کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو۔ کیونکہ بروئے آیت قرآنیہ اَللّٰہُ
یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا
توفی یعنی قبض روح کی دو ہی صورتیں ہیں موت کے وقت قبض روح یا
نیند کے وقت قبض روح۔ اور جب نیند کے معنوں کے لیے قرینہ نہ ہو تو
وہاں موت کے معنی متعین ہو جاتے ہیں۔
توفی کے معنی لغت کے رو سے توفاہ اللہ کے معنے ہوتے ہیں۔ اللہ
نے اس کو وفات دیدی۔ اور توفی فلان کے معنے ہیں فلاں شخص فوت
ہو گیا۔ الوفاۃ: الموت۔ المُتَوَفّٰی کے معنے فوت ہونے والا۔
(دیکھیں اقرب الموارد۔ لسان العرب۔ تاج العروس وغیرہا) کسی ایک
لغت کی کتاب میں بھی آپ کو اس کے سوا نہیں ملیگا۔ جہاں متوفی لکھا
جاتا ہے وہاں اس کے معنے سوائے مرنے والے کے اور کچھ نہیں

ہوتے۔ مُتَوَفِّیْ وفات دینے والا ہوتا ہے یعنی خدا تعالےٰ۔ انہی معنوں میں توفی کا لفظ قرآن۔ حدیث اور عربی ادب میں استعمال ہوا ہے اور ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے توفی کے معنے کے متعلق ایک چیلنج بھی دیا ہے جسے ۸۰ سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے اور آج تک کوئی اسے قبول نہیں کر سکا۔ آپ فرماتے ہیں :-

"اگر کوئی شخص قرآن کریم سے یا کسی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اشعار و قصائد۔ نظم و نثر قدیم و جدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل ہونے کی حالت میں جو ذوی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو وہ بجز قبض روح اور وفات دینے کے کسی اور معنے پر بھی اطلاق پا گیا ہے یعنی قبض جسم کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے تو اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت کا فروخت کر کے مبلغ ہزار روپیہ نقد دونگا اور آئندہ اس کے کمالات حدیث دانی اور قرآن دانی کا اقرار کر لوں گا"

(ازالہ اوہام ایڈیشن دوم صفحہ ۳۷۵)

قرآن کریم میں یہ لفظ بہت جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ موت کے معنوں میں ہے سوائے ایک جگہ کے جہاں قرینہ صارفہ ہونے کی وجہ سے

نیند کے معنوں میں آیا ہے مگر اس میں بھی ایک رنگ میں قبض روح ہوتا ہے اور وہ موت کی بہن کہلاتی ہے۔ وہ آیات یہاں درج کی جاتی ہیں جن میں قرآن کریم میں توفی کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں :۔

۱۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ (البقرہ ۲۴۱) یعنی جو لوگ تم میں سے مر جاتے ہیں۔

۲۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ (اعراف ۳۸) یہاں تک کہ ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) آتے ہیں اور انہیں وفات دیتے ہیں۔

۳۔ وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ (انفال ۵۱) اور اگر تو اس وقت کا تصور کرے جب فرشتے کافروں کی روح کو قبض کرتے ہیں یعنی ان کو وفات دیتے ہیں۔

۴۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ (حج ۶) اور تم میں سے کچھ (جوانی میں) فوت ہو جاتے ہیں اور کچھ اَرذل العمر تک لوٹائے جاتے ہیں یعنی بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں۔

۵۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ (مومن ۶۸) اور تم میں سے بعض پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔

۶۔ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ (یونس ۱۰۵) بلکہ میں اللہ کی پرستش کرتا ہوں جو تم کو وفات دیتا ہے۔

۷۔ وَاللّٰهُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ (نحل ۷۱) اور اللہ نے تمہیں

پیدا کیا۔ پھر وہی تمہیں وفات دیتا ہے۔

۸۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (سجدہ ۱۲)
تو کہہ کہ موت کا فرشتہ جو تمہارے لیے مقرر کیا گیا ہے تمہیں وفات
دے گا۔

۹۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ (نساء ۱۶)
پس تم ان کو گھروں میں روک رکھو یہاں تک کہ ان کو موت آجائے۔

۱۰۔ حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ
هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (انعام ۶۲) یہاں تک کہ جب کسی کی موت کا
وقت آجائے تو اس کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے وفات دیدیتے
ہیں اور وہ (حکم کی تعمیل میں) کوئی کمی نہیں کرتے۔

۱۱۔ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (محمد ۲۸) پس ان کا
کیا حال ہوگا جب ان کو فرشتے وفات دیں گے۔

۱۲۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ (آل عمران ۱۹۳) اور تو ہمیں نیکوں کے
ساتھ (ملا کر) وفات دے۔

۱۳۔ وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۔ (اعراف ۱۲۶) اور تو ہمیں مسلم ہونے کی
حالت میں وفات دے۔

۱۴۔ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف ۱۰۱) تو مجھے
مسلم یعنی فرمانبردار ہونے کی حالت میں وفات دے اور مجھے
نیک لوگوں کے ساتھ ملا۔

۱۵- اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا (زمر ۴۳) اللہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے ان کی موت کے وقت۔

۱۶- اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْ اَنْفُسِهِمْ (نساء ۹۸) تحقیق وہ لوگ جنہیں فرشتے ایسی حالت میں وفات دیتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔

۱۷- فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ۔ (مومن ۷۷) یعنی اگر ہم تجھے دکھادیں ایک حصہ جس کی ہم نے انہیں وعید دی ہے یا ہم تجھے وفات دے دیں تو وہ ہماری طرف ہی لوٹ کر آئیں گے۔

۱۸- وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ (یونس: ۴۷) اور جس عذاب کے بھیجنے کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں اگر ہم اس کا کوئی حصہ (تیرے سامنے بھیج کر) تجھے دکھا دیں (تو تو بھی دیکھ لیگا) اور اگر ہم تجھے وفات دے دیں تو (تجھے موت کے بعد اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور) بہر حال انہوں نے بھی ہماری طرف لوٹ آنا ہے (اور انہیں بھی وہاں حقیقت معلوم ہو جائے گی)

آیت ۱۷-۱۸ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی توفی کا لفظ استعمال فرمایا اور معنے فقط موت دینا ہیں نہ کچھ اور۔

۱۹- فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ

اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ۔ (مومن آیت ۷۸) پس صبر کر اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہیگا اور اگر ہم تجھ کو ان باتوں میں سے جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے بعض (تیری وفات تک) دکھا دیں (تو بعض پیشگوئیاں تیری وفات کے بعد پوری ہونگی اور اس میں کوئی حرج نہیں) کیونکہ وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے (اور وہاں ان کا انجام ان پر کھل جائے گا)

یہاں بھی توفی کا لفظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت دینے کے معنوں میں ہی استعمال کیا۔

۲۰۔ توفته رسلنا (انعام آیت ۷)

۲۱۔ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ (انعام ۶۱) وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری روح قبض کرتا ہے۔

پس سورہ مائدہ کی زیر بحث آیات جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خدا کے حضور سوال و جواب پر مشتمل ہیں بلاشک و شبہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور مع جسم آسمان پر نہیں گئے اور نہ ہی اب تک زندہ ہیں۔ ان آیات کی تفسیر صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی کرتی ہے جو یہ ہے:۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحشرون حفاتاً عراتاً غرلاً ثم قرأ کما بدأنا اول خلق نعیدہ ..... وعداً علینا انا کنا

فَاعِلِیْنَ ○ وَاَوَّلُ مَنْ یُّکْسٰی ابراھیمُ ثم لیؤخذ
برجال من اصحابی ذات الیمین وذات الشمال فاقول
اصحابی فیقال انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم
منذ فارقتھم فاقول کما قال العبد الصالح
عیسی ابن مریم وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّادُمْتُ
فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ
وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْد ...... العزیز الحکیم۔
(بخاری کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم جلد ۳ پ ۱۳)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اٹھائے جاؤ گے ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کما بدأنا اول خلق نعیدہ ... وعدًا علینا انا کنا فاعلین یعنی جس طرح ہم نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح اسے لوٹائیں گے یہ ہمارا وعدہ ہے جسے ہم پورا کریں گے اور پہلا شخص جسے کپڑے اڑھائے جائیں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہونگے۔ پھر میرے کچھ صحابی دائیں طرف لے جائے جائیں گے (یعنی بہشت کی طرف) اور بعض کو بائیں طرف لے جائیں گے (یعنی دوزخ کی طرف) اس وقت میں کہوں گا یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ پس کہا جائے گا کہ یہ اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے تھے تیرے علیحدہ ہو جانے کے بعد (یعنی تیری وفات کے بعد) تب میں وہی کہوں گا جس طرح اس صالح بندے

عیسیٰ ابن مریم نے کہا ․․․ پر نگران تھا جب تک میں ان میں رہا لیکن جب تو نے مجھے وفات دیدی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر نگہبان ہے ․․․․․․ غالب اور حکمت والا۔

سورۃ مائدہ کی آیات اپنی ذات میں بڑی واضح ہیں لیکن یہ حدیث تو ان کی تفسیر نہایت درجہ روشن کر دیتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام والے الفاظ ہی استعمال فرما کر بتا دیا کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے معنے سوائے وفات کے اور کچھ نہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مادی جسم کے ساتھ آسمان پر جا کر زندہ ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ ہاں روحانی زندگی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دائمی حاصل ہے اور وہ زندگی قیامت تک اس دنیا کے انسانوں پر اپنے روحانی اثرات ظاہر کرتی رہیگی۔ اور وہ آپ کے طفیل روحانی مراتب حاصل کرتے رہیں گے۔ لیکن جسمانی زندگی آپ کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو چکی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی زندگی ختم ہو چکی اور اب انہیں محض روحانی زندگی حاصل ہے جو وہی اصل زندگی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (عنکبوت ۶۵) کہ اُخروی زندگی کا گھر ہی اصل زندگی کا گھر ہے۔

(۲)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ

اُتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(آل عمران آیت ۵۶)

ترجمہ: جب اللہ نے کہا اے عیسٰی میں تجھے طبعی وفات دونگا اور تجھے اپنے حضور میں عزت بخشوں گا اور کافروں کے الزامات سے تجھے پاک کروں گا اور تیرے پیروؤں کو قیامت کے دن تک تیرا انکار کرنے والوں پر غالب کروں گا۔

توفی کے معنے اوپر تفصیل کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں۔ اس جگہ بھی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے معنے سوائے اس کے اور کچھ نہیں بن سکتے کہ میں تجھے طبعی وفات دونگا۔ باقی رہا رافعک الی یعنی میں تیرا رفع اپنی طرف کرنے والا ہوں۔ اس میں آسمان کا ذکر نہیں۔ اور اللہ تعالٰے کی ذات تو ہر جگہ موجود ہے آسمانوں پر محدود نہیں وہ زمین پر بھی اور آسمان پر بھی بلکہ ہر جگہ ہے وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ (انعام آیت ۴) اس لیے اپنی طرف رفع کرنے سے مراد آسمان پر لے جانا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے معنے روحانی رفعت بخشنا ہے اور ان معنوں میں یہ لفظ قرآن کریم میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ (اعراف رکوع ۲۲) ہم چاہتے تو اسے روحانی بلندی عطا کرتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا۔ یعنی روحانی لحاظ سے گر گیا۔ یہ آیت بلعم باعور کے متعلق بیان کی جاتی ہے جو حضرت موسٰی علیہ السلام

کے وقت میں تھا۔

۲۔ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (نور آیت ۳۷) ایسے گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ وہ اونچے کیے جائیں یعنی ان میں رہنے والوں کو روحانی رفعت عطا کی جائے۔

۳۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (انعام ۸۵) ہم جن کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں۔

۴۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ (یوسف ۷۷) " " " "

۵۔ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح) ہم نے تیرے ذکر کو تیرے لیے بلند کیا۔

۶۔ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (مریم ۵۸) ہم نے اس کو (یعنی ادریس علیہ السلام کو) نہایت اعلیٰ مقام تک پہنچایا۔

۷۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ ۱۲) اللہ تم میں سے ایمان لانے والوں اور علم حقیقی رکھنے والوں کو روحانی ترقیات دیگا۔

۸۔ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر ۱۱) اور عمل صالح اس کو اونچا کرے گا یعنی اس کی عزت کو بڑھا دیگا۔

آیت زیر بحث میں اللہ تعالےٰ نے پہلے مُتَوَفِّيْكَ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد رَافِعُكَ اِلَیَّ فرمایا۔ پس اس سے رفع روحانی ہی مراد ہو سکتا ہے جو ہر حقیقی مومن

کو وفات کے بعد اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے دیتا ہے۔ اگر یہ بیان کرنا مقصود ہوتا کہ وہ پہلے آپ کو آسمان پر معہ جسم لے جائیگا۔ اور پھر دنیا میں دوبارہ لاکر انہیں وفات دیگا تو اوّل آسمان کا لفظ چاہیئے۔ دوسرے مادی جسم کا ذکر چاہیئے تھا اور تیسرے رافعک کا لفظ پہلے چاہیئے اور متوفیک کا بعد میں۔ پس ترتیب آیات بتاتی ہے کہ یہاں رفع روحانی مراد ہے جو وفات کے بعد اللہ تعالےٰ نے انہیں عطا فرمایا۔ بعض لوگ دیدہ دلیری سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ رافعک کے معنے متوفیک سے پہلے کر لیے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیا وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک لفظ کو بھی ترتیب میں آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صریحاً کلام الٰہی کے ساتھ کھیلنے والی بات ہے جو آیت جہاں رکھی گئی ہے اور جو لفظ جہاں رکھا گیا ہے ہمیں قطعاً یہ اختیار نہیں کہ اس کو آگے پیچھے کر دیں۔ یہود کا مقصد تو آپ کو صلیب پر مار کر نعوذ باللہ من ذالک لعنتی ثابت کرنا تھا کیونکہ تورات میں ہے :۔

"کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے"

(استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳)

اللہ تعالےٰ آیت مذکور میں فرماتا ہے کہ ہم تجھے صلیب پر نہیں مرنے دیں گے بلکہ وہاں سے اتار لیں گے اور اپنے وقت پر طبعی موت دیں گے۔ اور اپنے پاس تجھے عزت کا مقام دیں گے۔ یہ نہیں کہ یہود تجھے صلیب پر مار کر لعنتی بنا دیں اور یہود کو یہ سزا دیں گے کہ تیرے ماننے والے ان

پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ یہ کس قدر محبت اور شفقت کا اظہار ہے جو اس آیت میں کیا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ یہود آپ کو نعوذ باللہ لعنتی ثابت کر سکیں ان کو ہمیشہ ماتحت رکھا جائے گا اور تجھے ایک بڑی عزت کا مقام دیا جائے گا۔ سو یہاں جسم کے آسمان پر لے جانے کا ذکر نہیں بلکہ روحانی رفعت کا ذکر ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اور یہود کو اس طرح سے جھوٹا ثابت کر دیا۔ یہ آیت بھی سورہ مائدہ کی آیت کی طرح نہایت واضح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتی ہے۔

(۳)

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ
اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ
بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝
وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

(نساء آیت ۱۵۸ تا ۱۶۰)

ترجمہ: اور ان کے یہ بات کہنے کے سبب سے کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح ابن مریم کو یقیناً قتل کر دیا ہے (یہ سزا ان کو ملی ہے) حالانکہ نہ

وہ اسے قتل کر سکے اور نہ صلیب پر چڑھا کر مار سکے بلکہ وہ ان کے لیے (قتل کیا جانے یا صلیب دیا جانے کے) مشابہ بنا دیا گیا اور جن لوگوں نے اس میں (یعنی مسیح کے صلیب سے زندہ اتارے جانے میں) اختلاف کیا ہے وہ البتہ اس بارہ میں شک میں ہیں۔ انہیں صحیح علم نہیں بلکہ وہ وہم کی پیروی کر رہے ہیں اور یقینی بات یہ ہے کہ وہ مسیح کو قتل نہیں کر سکے۔ بلکہ اللہ نے اس کو اپنے حضور عزت کا مقام دیا کیونکہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں جو اپنی موت تک اسی طرح نہیں مانتا رہے گا (کہ حضرت مسیحؑ کو مصلوب کر دیا گیا) لیکن قیامت کے دن مسیح ان کے خلاف گواہی دے کر انہیں بتائے گا (کہ یہ بات درست نہ تھی)

ان آیات میں پہلے تو اللہ تعالےٰ نے یہ بتایا کہ یہودیوں کا یہ قول درست نہیں کہ انہوں نے مسیح کو قتل کر دیا بلکہ وہ اس کو قتل کرنے اور صلیب پر چڑھا کر مارنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ان کا مقصد محض صلیب پر لٹکانا تو نہیں تھا بلکہ صلیب پر چڑھا کر مارنا تھا کیونکہ اس صورت میں استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳ سے وہ فائدہ اٹھا کر انہیں جھوٹا کہہ سکتے تھے۔ لغت کے رو سے بھی الصَّلْب کے معنے ہیں القتلة المعروفة یعنی صلیب پر چڑھا کر مار دینا (تاج العروس ولسان العرب) صَلَبَهُ کے معنے ہیں اس کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا۔ صلب الغلام: استخرج وَدَکہا یعنی ہڈیوں کا گودا نکال دیا۔

(اقرب) الصُّلب کے معنے شدید۔ مثلاً کہا جاتا ہے هُوَ صُلبٌ فِی دینه یعنی وہ اپنے دین میں بڑا سخت ہے (اقرب) ریڑھ کی ہڈی کو بھی اس کی سختی کی وجہ سے صُلب کہتے ہیں۔ غرضیکہ صَلَبَ کے معنے محض صلیب پر لٹکا دینے کے نہیں بلکہ صلیب پر چڑھا کر جان سے مار دینے کے ہیں۔ اسی وجہ سے عرف عام میں جب کسی کے متعلق کہتے ہیں کہ اسے صلیب دے دیا گیا ہے تو اس کے معنے یہ ہرگز نہیں ہوتے کہ اسے صلیب پر لٹکا کر زندہ اتار لیا گیا ہے بلکہ صلیب پر چڑھا کر مار دینے کے ہوتے ہیں۔ پس جن لوگوں نے صَلَبُوہ کے یہ معنے کیے ہیں کہ حضرت مسیح کو یہودی صلیب پر چڑھا ہی نہ سکے اور ان کی جگہ کسی اور کو ان کا ہم شکل بنا کر چڑھا دیا گیا یہ لغت کے لحاظ سے غلط معنے ہیں۔ ما صلبوہ کے معنے یہ ہیں کہ وہ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھا کر مار نہیں سکے اور خدا نے انہیں صلیب پر سے زندہ ہی اتروا لیا اور پھر وہ کچھ عرصہ کی بیہوشی کے بعد ٹھیک ہو گئے۔

ولکن شُبِّہ لھم کے یہ معنے کرنے کہ کسی اور شخص کو مسیح کی شکل دے کر ان کی جگہ صلیب پر چڑھوا دیا گیا۔ سراسر قرآن مجید پر زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (النجم رکوع ۳) یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ کسی شخص نے اگر گناہ یا جرم نہیں کیا تو اسے دوسرے کی جگہ سزا نہیں مل سکتی۔ ایسا کرنا سراسر ظلم ہوگا۔ پس اس کو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت مسیح کو بچانے کے لیے ایک اور شخص کو پہلے تو ان کا ہم شکل بنایا اور پھر بغیر اس کے کسی قصور کے اس کو صلیب پر چڑھوا کر مروا دیا۔ کیا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو خیر الماکرین ہے (آل عمران آیت ۵۵) یعنی سب سے بہتر تدبیر کرنے والا۔ اس کو کیا ضرورت تھی کہ کسی بیگناہ کو مروا کر ہی دوسرے بے گناہ کو بچائے۔ ہمیں اس دوسرے آدمی کا کوئی گناہ بتایا نہیں گیا اس لیے ہم اسے بیگناہ ہی تصور کریں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ آیت کے وہ معنے نہیں ہو سکتے جو عام طور پر کر دیئے گئے ہیں۔ ان آیات کے سیاق و سباق میں کسی اور شخص کا ذکر ہی نہیں اگر کوئی دوسرا شخص حضرت مسیح کا ہمشکل بنا کر قتل کیا گیا یا صلیب دیا گیا ہوتا تو ولکن شبہ لھم کے الفاظ کی بجائے سیاق کلام میں یہ الفاظ ہوتے ولکن شُبِّہَ لھم رجل آخر بالمسیح فقتل وصلب لیکن ان (یہود) کے لیے کوئی اور آدمی مشابہ بالمسیح کیا گیا اور قتل کر دیا گیا اور صلیب دیدیا گیا۔ یا عبارت یوں ہوتی ولکن قتلوا وصلبوا من شبہ لھم بالمسیح لیکن انہوں نے قتل کر دیا اور صلیب پر مار دیا اس شخص کو جو ان (یہود) کے لیے مسیح کے مشابہ کر دیا گیا یعنی اس کا ہمشکل بنا دیا گیا۔ مگر ان دونوں صورتوں کے برخلاف آیت کے سیاق میں ولکن شبّہ لھم سے پہلے مسیح کا ذکر ہے۔ اور پھر صلب کا ذکر ہے۔ شُبِّہَ کا فعل تشبیہ مصدر

کی ماضی مجہول کا صیغہ واحد غائب ہے جس میں واحد غائب کی ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع کلام میں پہلے مذکور ہونا چاہیئے اور ولکن شبّہ لہم کے الفاظ سے پہلے چونکہ یا قتل وصلیب کا ذکر ہے یا حضرت مسیح کا ذکر ہے جس کی طرف ماقتلوہ وما صلبوہ کی دو منصوب کی ضمیریں پھرتی ہیں کہ وہ یہود نہ مسیح کو قتل کر سکے ہیں نہ وہ مسیح کو صلیب پر مار سکے ہیں۔ لہذا شبہ لھم سے پہلے یہود اور مسیح کے سوا کسی تیسرے شخص کا ذکر مذکور نہیں کہ اس کی طرف شبّہ کی ضمیر واحد غائب مستتر پھیری جا سکے یہود کا شبّہ کی ضمیر کا مرجع ہونا تو کسی کو مسلّم نہیں کیونکہ قولھم انّا قتلنا میں یہود کی جماعت کا ذکر ہے ان کی طرف تو واحد غائب کی ضمیر پھیری نہیں جا سکتی۔ لہذا شبّہ کی ضمیر غائب مستتر کا مرجع یا تو مسیح ہو سکتا ہے یا امر قتل وصلب۔ اگر مسیح کو مرجع قرار دیا جائے تو آیت ولکن شبّہ لھم کے معنی ہوں گے۔ لیکن مسیح ان (یہود) کے لیے مشابہہ کر دیا گیا گویا کوئی شکل مسیح کو دی گئی نہ کہ مسیح کی شکل کسی اور کو جس کا کوئی ذکر کلام الہٰی میں نہیں۔ اب یہ امر قابل غور رہ جاتا ہے کہ مسیح کو کیا شکل دی گئی۔ جب اس بارہ میں غور کرتے ہیں تو آیت میں آگے مشبّہ بہ لفظاً مذکور نہیں پاتے لہذا سیاق عبارت میں مشبہ بہٖ تلاش کرتے ہیں تو اس سے پہلے قتل وصلب کا ذکر ماقتلوہ وماصلبوہ کے الفاظ میں پاتے ہیں اور قتل وصلب مصدر معروف بھی ہیں یعنی مار دینا صلیب دیدینا اور قتل وصلب مصدر مجہول بھی ہیں یعنی مارا جانا اور صلیب دیا جانا۔

پس ماقتلوہ وماصلبوہ کا مصدر قتل وصلب بصورت مجہول اسم مفعول شبہ بہ ثابت ہوتے ہیں اور معنی آیت کے یہ بنتے ہیں کہ مسیح ان (یہود) کے لیے قتل کیا جانے اور صلیب دیا جانے کے مشابہ ہو گیا یعنی وہ حقیقت میں مرا نہ تھا بلکہ مردہ کے مشابہہ ہو گیا تھا۔

اگر شبہ کی ضمیر غائب کا مرجع بجائے مسیح کے امر قتل وصلب کو قرار دیا جائے تو اس آیت کے یہ معنی ہونگے کہ یہود کے لیے مسیح کے مقتول ومصلوب ہونے کا امر مشتبہ کر دیا گیا۔ تیسرے کوئی معنی اس آیت کے ہو نہیں سکتے۔ اور ان معنی کا تو کوئی جواز نہیں کہ کوئی اور شخص ........ جس کا اس جگہ کوئی ذکر نہیں مسیح کا ہم شکل بنا کر قتل کر دیا گیا۔ یہ معنی تو بالکل بے بنیاد ہیں۔

لغت عربی کے رو سے شبہ لھم کی آیت کے یہ دونوں معنے درست ہیں۔ چنانچہ لغت عربی میں ہے شَبَّهَهٗ اِیَّاهُ وَشَبَّهَهٗ بِهٖ مَثَّلَهٗ بِهٖ۔ یعنی فلاں کو فلاں کے مشابہ کر دیا (اقرب الموارد) شَبَّهَ عَلَيْهِ الْاَمْرَ کے معنی ہیں لبسہ علیہ یعنی اس نے بات اس پر مشتبہ کر دی۔ وشبہ علیہ الامر کے معنی ہیں لبس علیہ۔ (اقرب الموارد) یعنی بات اس پر مشتبہ کر دی گئی۔ پس لغت کے لحاظ سے اس آیت کے یہ دو معنی ہی ہو سکتے ہیں جو اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کوئی تیسرے معنی جو حیات مسیح کے قائل کرتے ہیں کہ مسیح کا ہم شکل کسی اور آدمی کو بنا کر اسے مقتول ومصلوب کر دیا گیا۔ سیاق کلام کے خلاف

ہیں اور قرآن مجید کی اس آیت کی معنوی تحریف کے مترادف ہیں۔ ان دونوں معنوں کا مفاد ایک ہی ہے کہ یہود یقینی طور پر یہ نہ جان سکے کہ مسیح علیہ السلام واقعی قتل و صلب کے ذریعہ مر گئے ہیں یا نہیں۔ انجیل کے چند ایک حوالے بھی اس جگہ درج کیے جاتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوگا کہ حضرت مسیحؑ کے بچ جانے کے اتنے امکانات تھے کہ یہ یقینی طور پر کہنا کہ وہ صلیب پر مار دیئے گئے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے شبہ باقی رہا۔

۱۔ پیلاطوس جو وہاں کا حاکم تھا خود حضرت مسیح کو بے گناہ سمجھتا تھا۔
(متی ۲۷/۱۸ - لوقا ۲۳/۴-۱۴-۱۵-۲۲ - یوحنا ۱۸/۳۹ - مرقس ۱۵/۱۰، ۱۴)

۲۔ اور اس لیے وہ حضرت مسیح کو بچانا چاہتا تھا۔
(متی ۲۷/۱۷ - مرقس ۱۵/۹ - لوقا ۲۳/۲۰ - یوحنا ۱۸/۳۹)

۳۔ اس حاکم کی بیوی نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ بہت ڈر گئی اور اس نے حاکم یعنی پیلاطوس کو کہلوا بھیجا کہ تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ یعنی اسے سزا دینے سے بچا لے۔ (متی ۲۷/۱۹)

۴۔ چنانچہ پیلاطوس نے حضرت مسیح کو بچانے کے خیال کا اظہار کیا۔ اور ان کے متعلق اپنی طرف سے بریت ظاہر کی (متی ۲۷/۲۴)

۵۔ حاکم کا عملاً رعایتیں کروانا اور صلیب کو بھی بجائے مسیح کے دوسرے سے اٹھوانا۔ (متی ۲۷/۳۲ - مرقس ۱۵/۲۱)

۶۔ درد کم کرنے کے لیے مرکب کا استعمال کروایا گیا (متی ۲۷/۳۴) پہلی بار

مرکب کا پلانا (مرقس ۱۵/۲۳)۔ دوسری بار پلانا (مرقس ۱۵/۳٦)

۷۔ مسیح کے بے ہوش ہو جانے کو موت سمجھا گیا (یوحنا ۱۹/۲۹-۳۰)

۸۔ بطور رحم سرکہ پلانا (متی ۲۷/۴۹ - مرقس ۱۹/۲۹-۳۰)

۹۔ مسیح صرف تین گھنٹے صلیب پر رہے۔ (متی باب ۲۷ آیت ۴۵، ۵۱)
چھ گھنٹے تک رہے (مرقس باب ۲۵ آیت ۲۵، ۳۳)

۱۰۔ پیلاطوس کا مسیح کے مرنے کے متعلق شک (مرقس ۱۵/۴۴) صوبیدار کو گواہی کے لیے بلانا۔ صوبیدار مسیح کی سچائی کا قائل ہو چکا تھا۔ (متی ۲۷/۵۴) اس لیے اس کی گواہی معتبر نہیں تھی۔

۱۱۔ آپ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں (یوحنا ۲۰/۳۳)

۱۲۔ یہود بھی خیال کرتے تھے کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے (متی باب ۲۷ آیت ٦۲ تا ٦۷۔ باب ۲۸ آیت ۱۱ و ۱۵)

۱۳۔ مسیح کو صلیب سے اتار کر کھلے کمرے میں رکھا گیا (متی ۲۷/٦۰)

۱۴۔ آپ تیسرے دن سے قبل قبر میں نہ پائے گئے حالانکہ پہرہ موجود تھا (لوقا باب ۱ آیت ۱-۵)

۱۵۔ قبر سے نکل کر پوشیدہ پھرتے رہے کہ کہیں دوبارہ گرفتار نہ ہو جائیں (مرقس ۱٦/۱۲۔ یوحنا ۲۰/۱۹۔ ۲۱/۴)

۱٦۔ آپ کو مریم مگدلینی نے جسم کے ساتھ دیکھا (مرقس ۱٦/۹)

۱۷۔ آپ مریدوں کو نظر آئے (مرقس ۱٦/۱۲)

۱۸۔ آپ نے تھوما حواری کو اپنے زخم دکھائے (لوقا ۳۷/۳۹، ۴۰)

۱۹- آپ نے حواریوں سے مل کر کھانا کھایا (یوحنا $\frac{۲۱}{۱۳،۵}$ لوقا $\frac{۲۷}{۴۳-۴۴}$ )

پس عام طور پر اس شبہ کا پایا جانا کہ آپ کو صلیب پر مارا جا سکا ہے یا نہیں ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ اسی آیت کے اگلے حصہ میں اس شک اور اختلاف کا صراحتاً ذکر ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ اس آیت کے معنے کرنے میں بھی بہت غلطی کی گئی ہے اس کے معنے یہ کیے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح دوبارہ آئیں گے تو تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اور ایک بھی ان میں سے ایمان سے محروم نہیں رہے گا۔ گویا بہٖ کی ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف لے جاتے ہیں اور موتہٖ کی ضمیر بھی انہی کی طرف یعنی حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے اہل کتاب میں سے ہر ایک ان پر ایمان لے آئیگا۔ یہ معنے قرآن کریم کی اس آیت کے صریح خلاف ہیں۔ کہ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (آل عمران آیت ۵۶) یعنی ہم تیرے پیرؤں کو ان لوگوں پر جو تیرا انکار کرنے والے ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھیں گے۔ یہ انکار کرنے والے یہود ہیں مسلمان نہیں کیونکہ مسلمان تو انہیں خدا کا نبی یقین کرتے ہیں۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ یہود کا وجود قیامت تک رکھا جائے گا۔ اگرچہ عیسائی ان پر غالب رہیں گے۔ اگر حضرت مسیح کے دوبارہ آنے پر ان سب نے ان پر ایمان لے آنا تھا تو ان کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ اور یہ آیت درست نہیں

ٹھہریگی جو عیسائیوں کو ان پر قیامت تک غلبہ کی بشارت دیتی ہے۔
ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ (مائدہ آیت ۱۵)

ترجمہ: اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا۔ پھر انہوں نے بھی جس بات کی انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک حصہ بھلا دیا۔ تب ہم نے ان کے درمیان (یعنی ان کی آپس میں) قیامت کے دن تک کے لیے عداوت اور سخت دشمنی ڈال دی اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ اس پر انہیں آگاہ کریگا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے متعلق بتایا ہے کہ وہ بھی قیامت تک رہیں گے اور ان کے آپس میں سخت اختلافات ہو جائینگے جیسا کہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں ہمیشہ رہا ہے اور سالہا سال سے آئرلینڈ میں اس کی وجہ سے سخت فسادات ہو رہے ہیں۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الاٰیۃ میں یہود اور عیسائی دونوں شامل ہیں اور ان دونوں کے متعلق قرآن کریم بتاتا ہے کہ وہ قیامت تک رہیں گے۔ پس ایسے معنے درست نہیں ہو سکتے جو بالفرض حضرت مسیح کے آنے کے بعد ان دونوں قوموں کے وجود کو ہی ختم کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس آیت میں یہ تخصیص تو موجود ہی نہیں ہے کہ ان کا ایمان لانا صرف حضرت عیسےٰ کے دوبارہ آنے پر ہوگا بلکہ یہ سب یہود کے متعلق ہے خواہ وہ حضرت مسیح کے نزول سے پہلے گذر چکے ہونگے یا اس وقت موجود ہونگے۔ ان میں سے پہلے گذرے ہوئے تو بہر حال ایمان نہیں لائے اس لحاظ سے بھی یہ معنے درست نہیں۔ پس اصل حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف جاتی ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف۔ چنانچہ اس کی دوسری قرأت موتھم بھی ہے اس میں جمع کی ضمیر ھم ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح کی طرف نہیں جاسکتی اور ہمارے معنوں کی تائید کرتی ہے۔ اس دوسری قرأت کے لیے تفسیر بیضاوی۔ تفسیر کشاف وغیرہا کو دیکھا جا سکتا ہے۔ پس اس آیت کے معنے یہ ہوئے کہ اہل کتاب اپنی موت تک تو اسی طرح مانتے رہیں گے کہ حضرت مسیح کو مصلوب کر دیا گیا۔ لیکن قیامت کے دن حضرت مسیح ان کے خلاف گواہی دیکر انہیں بتائیں گے کہ یہ بات درست نہ تھی گویا تمام اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ ہردو کی یہی صورت ہوگی کہ وہ حضرت مسیح کو مصلوب مانتے رہیں گے اگرچہ نتائج دونوں مختلف نکالیں گے ایک نعوذ باللہ ملعون ہونے کا اور دوسرے کفارہ ہوجانے کا۔ لیکن دونوں ہی غلطی پر ہونگے۔

یہ ہر سہ مقامات تو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق خصوصیت سے ہیں لیکن عمومی طور پر اور آیات بھی ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام باقی سب نبیوں کی طرح فوت ہو کر اپنے رب کے پاس جا چکے ہیں۔ ان کو ہرگز یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ رکھا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے اس غلط عقیدہ کا عیسائیوں نے خوب فائدہ اُٹھایا اور حضرت عیسیٰ کی ہمارے پیارے نبی خیرالاولین والآخرین سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طور سے فضیلت ثابت کی۔ اور اس کے ساتھ کچھ باتیں اور شامل کر لیں جو قرآن کریم میں بیان تو روحانی رنگ میں ہوتی تھیں لیکن انہیں جسمانی رنگ دے دیا گیا جیسا کہ مردوں کو زندہ کرنا اور پرندوں کا بنانا۔ عیسائیوں کے ہاتھ اس قسم کی باتوں سے خوب مضبوط ہوئے۔ ورنہ کجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک وجود جس سے دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا اور آپ کی زندگی میں پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور کجا حضرت مسیح کا وجود جو صرف ۱۲ اشخاص کی اصلاح کا موجب بن سکے اور ان میں سے بھی ایک نے رشوت لے کر آپ کو پکڑوا دیا اور دوسرے نے مصیبت کے وقت آپ کا انکار کر دیا۔ پہلا یہودا اسکریوطی ہے اور دوسرا پطرس۔

اب وہ آیات لکھی جاتی ہیں جن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام یقیناً فوت ہو چکے ہیں:۔

پہلی آیت:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ (آل عمران ۱۴۵)

ترجمہ: اور نہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر ایک رسول۔ اور اس سے پہلے سب رسول گذر چکے ہیں پس کیا اگر وہ فوت ہو جائے یا مارا جائے تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔

اس آیت میں خَلَتْ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ خلا کے معنے جب یہ بلا صلہ ( Preposition ) کے استعمال ہو فوت ہو جانے کے ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ تاج العروس میں جو لغت کی سب سے بڑی کتاب ہے لکھا ہے خلا فلان : اذا مات یعنی وہ شخص فوت ہو گیا انہی معنوں میں یہ لفظ حسب ذیل آیات میں استعمال ہوا ہے :۔

۱۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ۔ (بقرہ رکوع ۱۶) یہ امت ہے گذر چکی ہے۔ اس کے لیے ہے جو اس نے کیا۔ اور تمہارے لیے ہے جو تم نے کیا۔

۲۔ قَالَ ادْخُلُوا فِي اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ (آل عمران ۳۹) تب اللہ ان سے کہیگا جاؤ جا کر آگ میں ان امتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گذر چکی ہیں یعنی فوت ہو چکی ہیں۔

۳۔ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (مائدہ ۷۶) مسیح ابن مریم صرف ایک رسول تھے۔ اس سے پہلے بھی سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔

۴۔ کذلک ارسلنک فی امۃ قد خلت من قبلها امم۔

(رعد ۳۱) اسی طرح ہم نے تجھے ایک امت کی طرف بھیجا ہے جس سے پہلے کئی قومیں گذر چکی ہیں۔

۵- فی امم قد خلت من قبلھم (حم السجدہ ۲۶) ان امتوں میں جوان سے پہلے گذر چکیں۔

۶- اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھِمْ (احقاف ۱۹) وہی ہیں جن پر عذاب کی پیشگوئی پوری ہوئی ان امتوں میں جوان سے پہلے گذر چکیں۔

ان تمام مقامات پر خلا کے معنے فوت ہو کر چلے جانے کے ہیں۔ انگریزی میں بھی PASS AWAY کے معنے فوت ہو جانے کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ آیت زیر بحث میں قد خلت کا دو صورتوں میں حصر کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا افان مات او قتل یعنی کیا اگر وہ فوت ہو جائے یا مارا جائے کے ساتھ۔ پس اس جگہ قد خلت میں یہ صورت داخل نہیں کی جا سکتی کہ کسی کو آسمان پر لے جایا جائے۔ گذشتہ رسولوں میں سے کسی کے ساتھ اگر یہ واقعہ ہو چکا ہوتا کہ وہ آسمان پر اس مادی جسم کے ساتھ زندہ موجود ہوتا تو اس جگہ اس کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ ایک حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنکر حضرت عمرؓ آئے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اللہ کی قسم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ یہ حضورؐ کے ساتھ محبت کی وجہ سے تھا کہ وہ لوگ وفات

تسلیم کرنے کے تیار نہ تھے۔ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آگے حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

فکشف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبّلہ قال بابی انت و امّی طبت حیًّا و میّتًا والّذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدًا ثم خرج فقال یاایّھا الحالف علی رسلک فلمّا تکلّم ابوبکر جلس عمر فحمد اللہ ابوبکر و اثنیٰ علیہ وقال الا من کان یعبد محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم فانّ محمدًا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت وقال انّک میّت وانّھم میّتون وقال ما محمّد الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افأن مات او قتل انقلبتم علٰی اعقابکم۔۔

۔۔۔۔ الشاکرین۔ قال فنشج الناس یبکون۔

(بخاری کتاب المناقب پارہ ۱۴)

ترجمہ :۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سے کپڑا اُٹھایا اور آپ کو بوسہ دیا اور کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندگی اور موت دونوں میں خوب ہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ آپ کو کبھی بھی دو موتیں نہیں چکھائیگا۔ پھر آپ، کمرہ سے باہر نکلے اور فرمایا اے قسمیں کھانے والے (یعنی حضرت عمر رض) ذرا ٹھہر۔ پھر آپ نے بات کرنا شروع کی اور حضرت عمر رض بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رض

نے پہلے خدا کی تعریف اور ثنا کی اور پھر کہا خبردار رہو اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ تو یقیناً فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی فوت نہیں ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی انك میت وانھم میتون یعنی تو بھی فوت ہو جانے والا ہے اور یہ سب بھی فوت ہو جائیں گے۔ اور پھر یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ..... الشاکرین۔ اس پر لوگ چیخیں مار کر رونے لگ گئے۔

حضرت عمرؓ پر اس کا جو اثر ہوا اس کا ذکر ایک اور حدیث میں یوں ہے :-

واللہ ما ھو الا ان سمعت ابا بکرٍ تلاھا فعقرت حتی ما تقلنی رجلای وحتی اھویت الی الارض حین سمعتہ تلاھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد مات۔

(بخاری جلد ۳ صـ ۶۵)

ترجمہ: (حضرت عمر فرماتے ہیں) بخدا میں نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ آیت (وما محمد الا رسول.....) پڑھتے سنا تو میں سمجھا کہ یہ آیت تو مجھے ابھی معلوم ہوئی ہے۔ پھر تو میرے پاؤں میں طاقت نہ رہی اور میں زمین پر گر پڑا۔ جب میں نے ابوبکر کو یہ پڑھتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔

اس موقعہ پر حضرت حسّان نے یہ شعر کہا ؎

كنت السَّوادَ لِناظري فعمي عليك الناظرُ

من شاء بعدك فليمت فعليك كنت احاذرُ

یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو میری آنکھوں کی پتلی تھا۔ تیرے مرنے سے میری آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے تو تیرا ڈر تھا۔

یہ واقعہ جو حدیث میں بیان ہوا ہے قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کی آیت قد خلت من قبلہ الرسل سے یہی سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب نبی فوت ہو چکے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس آیت سے یہ ہرگز یقین نہ کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی فوت ہو چکے ہیں۔ اگر وہ سمجھتے کہ قد خلت من قبلہ الرسل میں یہ بات بھی داخل ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ موجود ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق کیسے یقین کر سکتے تھے۔ پس یہ حدیث اسبات کا قطعی فیصلہ کرتی ہے۔ کہ خلتؔ سے مراد ان سب کا وفات پا جانا ہی ہے اور انہی وفات یافتہ نبیوں میں حضرت عیسیٰ بھی شامل ہیں۔ وفات مسیح پر اسلام میں یہ پہلا اجماع تھا۔ کسی نے بھی اس سے اختلاف نہ کیا۔ بعد میں جب نصاریٰ کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے تو وہ اس مسئلہ کو ساتھ لے آئے کہ مسیح آسمان پر زندہ ہیں اور پھر یہ خیال آہستہ آہستہ مسلمانوں میں بھی

سرایت کر گیا۔ پرانے خیالات کو دل سے کلیۃً نکال دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ یہی مسلمان ہونے والے نصاریٰ کے ساتھ ہوا۔ اور ان کی وجہ سے مسلمان بھی اس غلطی کا شکار ہو گئے۔

دوسری آیت:

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۔ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ..... (مائدہ ۷۶ تا ۷۸)

ترجمہ: مسیح ابن مریم ایک رسول کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس سے پہلے بھی سب رسول فوت ہو گئے۔ اس کی ماں صدیقہ یعنی بڑی راستباز تھی وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھو ہم کس طرح ان کے لیے کھول کھول کر نشان بیان کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ کس طرح بھٹک جاتے ہیں۔ تو کہہ کیا تم خدا کے سوا ان کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں۔ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ تو کہہ اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو.....

ان آیات سے تین آیتیں پہلے یہ مضمون ہے کہ یہ کہنے والے بڑا ظلم کر رہے ہیں کہ یقیناً اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے اس کے بعد تثلیث

کا ذکر ہے اور پھر یہ آیات ہیں۔ ان میں بھی وہی مضمون جاری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسیح تو صرف ایک رسول تھے اور ان میں سب وہی باتیں پائی جاتی ہیں۔ جو رسولوں میں ہوتی ہیں۔ نہ کہ وہ جو خدا میں ہیں۔ باقی رسولوں کی طرح وہ بھی فوت ہو گئے۔ ان کی طرح یہ بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ لیکن چونکہ بلا باپ تھے اس لیے یہ نہ سمجھنا کہ اس کی ماں میں کوئی خرابی تھی بلکہ وہ ایک پاکدامنہ تھی۔ باقیوں کی طرح یہ ماں بیٹیا بھی کھانا کھاتے تھے اور تبھی وہ زندہ رہتے تھے۔ نہ ان میں کوئی اور ایسی بات تھی جو انسان میں نہیں ہوتی پس وہ خدا کیسے ہوئے اور ان کو خدا ماننے والے کیسے سیدھے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ان کو اتنی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا خدا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے یا وہ کھانا کھاتا ہے یا اس پر موت آجاتی ہے پھر وہ مسیح کو خدا کس طرح بنا دیتے ہیں۔ وہ تو اتنی بھی طاقت نہیں رکھتا کہ کسی کو نقصان پہنچا سکے یا کسی کو نفع دے سکے۔ سننے اور جاننے والی ذات تو خدا کی ہے وہ تمہاری دعاؤں کو سنکر تمہاری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے اور تمہاری حالتوں پر نگاہ ڈالتا ہوا تم پر رحم فرماتا ہے اور تمہاری ہر طرح سے پرورش کرتا ہے۔ اہل کتاب کی طرف سے یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ وہ ناحق اپنے دین میں اس قسم کا غلو کرتے ہیں۔

اب دیکھیں ان آیات میں کس طرح الوہیت مسیح کی تردید ہے پھر بھی کہنے والے کہتے ہیں کہ ان میں ایسی غیر معمولی باتیں جمع تھیں جو انسانوں

ہیں نہیں ہوتیں۔ آسمان پر جاکر زندہ رہنا۔ مُردے زندہ کرنا۔ پرندے بنانا وغیرہ۔ العجب فالعجب۔

تیسری آیت:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝

(انبیاء آیت ۳۵-۳۶)

ترجمہ: اور ہم نے کسی انسان کو تجھ سے پہلے غیر طبعی لمبی عمر نہیں دی پس کیا اگر تو فوت ہو جائے تو وہ غیر طبعی عمر پائیں گے۔ ہر نفس موت کا مزا چکھنے والا ہے اور ہم اچھے اور برے حالات سے تمہاری آزمائش کریں گے اور تم نے ہماری طرف ہی لوٹائے جانا ہے۔

خلود کے معنے بغیر تغیّر تبدل اور انحطاط کے زیادہ دیر تک رہنے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ لغت میں ہے (خَلَدَ) خَلْدًا وَخُلُودًا: اَبْطَأَ عنه المشیب وقد اسنّ وَخَلَدَ بالمکان والی المکان: اقام به فهو خالد۔ (الخلود) الدوام وفی الکلیات "کل ما یتباطأ عنه التغیر والفساد تصفه العرب بالخلود کقولهم الایام خوالد وذلك لطول مُكثها لا للدوام"۔ (اقرب الموارد) یعنی خلود کے ایک معنے ہوتے ہیں عمر زیادہ ہو جانے کے باوجود بڑھاپا زیادہ دیر سے آنا۔ خلد بالمکان والی المکان کے معنے ہوتے ہیں مکان میں

رہا۔ خُلُود کے معنے ہمیشگی۔ کلیات میں ہے کہ تغیر اور خرابی دیر سے ہونے کو عرب خلود کہتے تھے۔ زیادہ دیر تک رہنا نہ کہ ہمیشگی۔ انہی معنوں میں عرب ایام کو خوالد کہتے ہیں اس لیے ...... کہ ایام لمبا عرصہ پاتے ہیں۔ اس موقعہ پر وہ ہمیشگی کے معنوں میں اسے استعمال نہیں کرتے۔ مفردات راغب میں ہے :-

الخلود هو التبری الشئ من اعتراض الفساد و بقاءه علی الحالة التی هو علیها و کل ما یتبطاء عنه التغیر والفساد تصفه العرب بالخلود کقولهم للاثاثی خوالد وذلك لطول مکثها لا لدوام بقاءها قال تعالیٰ لعلکم تخلدون۔ (مفردات)

یعنی الخلود کے معنی ہیں کوئی چیز فساد پیدا ہونے سے بچی رہے اور پہلی حالت میں رہے اور ہر چیز جس میں تغیر اور خرابی دیر سے آتی۔ عرب اس کے لیے خلود کا لفظ استعمال کرتے۔ ان پتھروں کو بھی وہ خوالد کہتے جن سے چولھے کا کام لیا جاتا اور یہ ان کے دیر تک رہنے کی وجہ سے ہوتا نہ کہ ہمیشگی کی وجہ سے۔ انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لعلکم تخلدون (تاکہ تم زیادہ دیر تک رہو) یہ آیت جس کا امام راغب نے حوالہ دیا ہے ساری یوں ہے وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون (شعراء آیت ۱۳۰) یعنی تم بڑے بڑے محل بناتے ہو تاکہ تم دیر تک قائم رہو۔

سو اس آیت کے معنے یہ ہوئے کہ تجھ سے پہلے کوئی ایسا انسان نہیں ہوا کہ اس پر غیر معمولی لمبے عرصہ تک بڑھاپا یا ضعف نہ آیا ہو اور وہ جسمانی تغیر و تبدل سے محفوظ رہا ہو۔ اس لیے اگر تجھ پر اے نبی موت آجائے تو یہ کوئی ناحق بات نہیں ہو گی بلکہ باقی سب انسان غیر متغیر حالت میں نہیں رہیں گے ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور یہ زندگی تمہیں اس لیے دی گئی ہے کہ ہم ایک وقت تک تمہیں خیر و شر سے آزمائیں اور پھر موت کے بعد اس کا اجر پانے کے لیے تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی سنت کے خلاف ہے کہ کسی کو دو ہزار سال اس جسم سمیت آسمان پر بٹھائے رکھے اور اس کے جسم میں اس مرورِ زمانہ کے اثرات بھی پیدا نہ ہوں اور پھر دو ہزار سال بعد وہ جوانی کی حالت میں ہی اس دنیا میں دوبارہ لایا جائے اور اس سارے عرصہ میں اس پر باقی انسانوں کی طرح آزمائشیں بھی کوئی نہ آئیں۔ سو یہ آیتیں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پر مہر لگاتی ہیں۔

چوتھی آیت:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا (مرسلٰت ۲۶، ۲۷)

یعنی کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے کافی نہیں بنایا۔ (کہ کسی کو آسمان پر لے جا کر بٹھانے کی ضرورت پیش آئے)

پانچویں آیت:

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا
وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۔ (نوح آیت ۱۸، ۱۹)

یعنی اللہ نے تمہیں زمین میں سے پیدا کیا پھر وہ اس میں تمہیں لوٹا دیگا اور پھر اسی میں سے تمہیں حشر کے لیے نکالیگا۔ یہ آیت بھی کسی کے آسمان پر زندہ چلے جانے کے خیال کو ردّ کرتی ہے۔

چھٹی آیت:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا
خٰلِدِيْنَ ○ (انبیاء آیت ۹)

یعنی ہم نے ان رسولوں کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا کھانے سے مستغنی ہوں اور نہ ہی وہ ایسے ہیں کہ ایک لمبے عرصہ تک بغیر تغیر تبدل کے رہ سکتے ہوں۔ یہاں بھی آسمان پر جا کر بغیر اس قسم کی خوراک کے جو یہاں انسان کے قیام کے لیے ضروری ہوتی ہے اور کسی رسول کے دو ہزار سال تک بغیر مادی خوراک کھانے اور بغیر تغیر تبدل زندہ رہنے کی نفی ہے۔

ساتویں آیت:

وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ
وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ
يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ
وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○ (مریم ۳۲ تا ۳۴)

ترجمہ: اور اس نے مجھے مبارک بنایا ہے جہاں کہیں میں ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کا۔ اور مجھے ظالم اور بدبخت نہیں بنایا۔ اور سلامتی بھی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔ اور اس دن بھی سلامتی ہو گی جس دن میں فوت ہونگا اور اس دن بھی سلامتی ہو گی جب میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤنگا۔

یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک بیان پر مشتمل ہے۔ یہاں بھی حضرت مسیح کے مادی جسم کے ساتھ آسمانی زندگی میں سلامتی پانے کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر وہ بالفرض مادی جسم کے ساتھ آسمان پر فرض کیے جائیں تو جو کام ان کے یہاں گنائے ہیں ان میں سے وہ وہاں یہود کے طریق پر صرف نماز پڑھنے کا کام ہی ... کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ دینے اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وہاں گنجائش ہی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ آیت میں یہ ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا مجھے یہ کام کرنے کا حکم ہے۔ دو ہزار سال کی زندگی ان اعمال کے بغیر گذارنے کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں بلکہ اس آیت میں صرف پیدائش اور وفات اور دوبارہ اٹھائے جانے کا ذکر ہے آسمان پر زندہ جانے کا ہرگز ذکر نہیں نہ وہاں کی سلامتی کا ذکر ہے پس سلامتی کا تین باتوں میں ذکر وہ خدا سے علم پا کر ہی کر سکتے تھے اگر خدا نے انہیں مادی جسم کے ساتھ آسمان پر دو ہزار سال یا اس سے زیادہ رکھنا ہوتا تو اس زمانہ کے لیے انہیں سلامتی سے اطلاع دینا۔ اگر وہ اس طرح غیر معمولی مادی زندگی پانے والے ہوتے تو یہ امر متقاضی

تھا کہ ان کی اس وقت کی سلامتی کا بھی ذکر کیا جاتا۔

آٹھویں آیت:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (نحل ۲۱-۲۲)

ترجمہ: اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ خود مخلوق ہیں۔ وہ مردہ ہیں زندہ نہیں۔ اور ان کو یہ بھی علم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

حضرت مسیح بھی انہیں میں داخل ہیں جن کو اللہ کے سوا خدا بنایا گیا اللہ انہیں مردہ بتاتا ہے نہ کہ زندہ۔

نویں آیت:

وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝

(اعراف آیت ۲۵-۲۶)

ترجمہ: اور تمہارے لیے زمین میں ہی ٹھکانا ہوگا اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا۔ (پھر فرمایا) اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے۔

یہاں پر آسمان پر زندہ رہنے کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ زمین ہی انسان کی زندگی گذارنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور حضرت مسیح بھی ایک انسان،

تھے کہ خدا یا خدا کے بیٹے یا فرشتے۔

دسویں آیت:

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل آیت ۹۴)

ترجمہ: یا تیرے لیے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی سونے کا گھر ہو۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ اور تیرا ہم آسمان پر چڑھنا بھی نہیں مانیں گے جب تک وہاں سے کوئی کتاب ہم پر نہ اتارے جسے ہم پڑھ سکیں۔ تو کہہ میرا رب ان فضول مطالبوں کو پورا کرنے سے پاک ہے۔ میں تو صرف ایک انسان رسول ہوں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر جانے کا مطالبہ کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے غلط قرار دیا اور فرمایا کہ ان کو یہ جواب دے کہ میں تو محض ایک انسان ہوں جسے رسالت دی گئی۔ انسانوں کے لیے یہ باتیں نہیں ہوتیں جن کا تم مطالبہ کرتے ہو۔

اگر مادی جسم کے ساتھ آسمان پر جا کر رہنا بھی انسان کے لیے ہوتا تو اس مطالبہ کو پورا کرنے میں کوئی حرج نہ تھا۔ لیکن اس کا ناقص نفی میں جواب دیدیا گیا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے مسیح کے لیے یہ جائز رکھ لیا حالانکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان ہ۔ کر گیا یا ایسا ان

خود دکھانے سے قاصر قرار دے دیا گیا ہے اور اس سے پہلے قُل سبحانَ ربّی کہہ کر خدا کو بھی ایسی تجویز کردہ باتوں کے دکھانے سے پاک قرار دیا گیا ہے۔

گیارہویں آیت:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ۗ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝
(یٰسٓ آیت ۶۹)

یعنی جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کو کمزوری کی طرف واپس لے جاتے ہیں۔ کیا وہ یہ بات نہیں سمجھتے۔

کیا حضرت مسیح کے لیے یہ قانون نہیں کہ ان پر عمر کے لمبا ہونے کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ جوان کے جوان ہی رہیں۔ کیا یہ عقل کی بات ہے۔

قرآن کریم میں اس قسم کی اور آیات بھی ہیں۔ لیکن انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم حتمی طور پر بلاشک وشبہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وفات یافتہ قرار دے کر انہیں مردوں میں شامل کرتا ہے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ۔

# بابِ پنجم

# وفاتِ مسیحؑ ازرُوئے حدیث

## پہلی حدیث:

لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیّین لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِی

(تفسیر ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۶۔ الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۷ شرح مواہب المدینہ جلد ۲ صفحہ ۷۶)

ترجمہ: اگر موسیٰ اور عیسٰے دونوں زندہ ہوتے تو ان کے لیے سوائے اس کے چارہ نہ ہوتا کہ وہ میری پیروی کریں۔

امام ابن قیمؒ بھی اس حدیث کی تشریح کے طور پر لکھتے ہیں:-

لو کان موسیٰ و عیسیٰ فِی حیاتہما لکانا من اتباعہ

(مدارج السالکین قلمی جلد ۲ صفحہ ۳۱۳)

یعنی اگر موسےٰ اور عیسٰے اپنی زندگی میں ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں میں سے ہوتے۔

ایک روایت میں صرف حضرت عیسٰے کا نام ہے:-

لو کان عیسیٰ حَیًّا ما وَسِعَہٗ اِلَّا اتباعی۔ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۱ امام مُلّا علی قاری) یعنی اگر عیسٰے زندہ ہوتے تو ان کے لیے

میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اسی طرح کی ایک اور روایت میں صرف حضرت موسٰے کا ذکر ہے۔ یہ سب روایات اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

علاّمہ رشید البغدادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہتے ہیں ؎

مَحَونَا بِكَ الْأَدْيَانَ لَوعَاشَ رُسُلاً
لجاءك عیسٰے تابعًا وكليم

(دیوان معدن الافغانات مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۸)

یعنی (اے رسول) تیرے ذریعہ سے ہم نے سب دینوں کو منسوخ کر دیا اگر پہلے رسول زندہ ہوتے تو عیسیٰ اور سب کے سب نبی تیرے تابع ہو کر تیرے پاس آتے۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ نہیں ہیں۔ جو صورت حضرت موسیٰ کی ہے (یعنی فوت شدہ کی) وہی حضرت عیسیٰ کی ماننی پڑے گی۔ یہ نہیں کہ ایک کو مردہ کہہ دیں اور دوسرے کو زندہ۔ امام ابن قیم نے اس کی مزید وضاحت بھی کر دی ہے اور کسی اور معنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

دوسری حدیث:

اخبرنی اَنَّ عیسٰے ابن مریم عاش عشرین ومائة سنةٍ

(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۶۰)

یعنی اللہ تعالےٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ عیسےٰ ابن مریم ۱۲۰ سال کی عمر تک زندہ رہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے۔ یہ حدیث علامہ قسطلانی نے بھی دی ہے (مواہب اللدنیہ جلد ا صؔ ۴۳) طبرانی اور مستدرک للحاکم میں بھی یہ حدیث درج ہے اور نواب صدیق حسن خاں نے بھی کتاب حجج الکرامہ میں اسے درج کر کے لکھا ہے رجالہ ثقات۔ کہ اس کے راوی ثقہ ہیں ( )

انجیل اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عیسےٰ کو جب صلیب پر لٹکایا گیا تو آپ کی عمر صرف تینتیس ۳۳ سال تھی اور آپ کا عرصہ نبوت صرف تین سال تھا۔ ۱۲۰ سال کی عمر ہونے کے معنے یہ ہیں کہ آپ صلیب سے بچائے گئے اور اس کے بعد خدا کے فضل سے ایک لمبا عرصہ زندہ رہ کر اپنا کام کرتے رہے۔ آپ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے جن کے بارہ قبائل میں سے تین قبیلے فلسطین کے علاقہ میں تھے اور باقی نو قبیلے افغانستان اور کشمیر میں تھے۔ وہ اگر ان قبائل کی طرف نہ جاتے تو اپنے مفوضہ کام کو پورا کرنے والے نہ ہوتے۔ وہ صلیب سے نجات پانے کے بعد ہجرت کر کے ان علاقوں میں چلے گئے اور بالآخر کشمیر میں فوت ہوئے۔ جہاں سرینگر محلہ خانیار میں ان کی قبر ہے۔ انہیں وہاں شہزادہ نبی کہا جاتا ہے جو کسی باہر کی جگہ سے وہاں آئے تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب "مسیح ہندوستان میں" اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ پہلی دفعہ آپ نے ہی اس حقیقت کو آشکارا کیا۔

**تیسری حدیث:**

بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اصرار کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کیطرف سے اُن کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث پہلے درج کی جا چکی ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا تھا کہ واقعی حضرت عیسٰے فوت ہو چکے ہیں اور یہ اسلام میں پہلا اجماع تھا۔

**چوتھی حدیث:**

حدیث معراج ہے۔ یہ حدیث لمبی ہے۔ اس کے پہلے حصّہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"مالک بن صعصعۃ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے معراج کا واقعہ بیان فرمایا۔ فرمایا کہ میں حطیم یا حجرہ میں لیٹا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک آنے والا (یعنی فرشتہ) آیا۔ پس اس نے پھاڑ دیا یہاں سے یہاں تک (حضورؐ نے اشارہ کر کے بتایا ہنسلی سے ناف تک) پھر میرا دل نکالا۔ پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ پھر میرا دل دھویا۔ پھر اس کو (ایمان اور حکمت سے) بھر دیا۔ پھر میرے پاس ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور سفید رنگ کا تھا (یعنی براق) وہ اپنے قدم

"ڈالتا تھا نگاہ کی آخری حد تک ۔ مجھے اس پر سوار کر دیا گیا اور مجھے جبرائیل لے چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان پر پہنچے ۔ جبرائیل نے کہا اندر سے دروازہ کھولو ۔ اندر سے پوچھا گیا کہ کون ہے ؟ جواب دیا گیا کہ جبرائیل ۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے ؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم ۔) پوچھا گیا کہ انہیں بلایا گیا ہے ۔ جبرائیل نے کہا ہاں ۔ پس وہ دروازہ کھول دیا گیا اور اندر والے فرشتہ نے خوش آمدید کہا ۔ اور کہا بہت ہی خوب ہے آنے والا ۔ میں اندر گیا تو اس میں آدمؑ تھے ۔ جبرائیل نے کہا یہ تیرا جد امجد ہے ان کو سلام کہیں ۔ میں نے آدمؑ کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبا کیسا اچھا بیٹا ہے اور کیسا اچھا نبی ہے ۔ پھر جبرائیل مجھے لے کر اوپر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان تک پہنچ گئے اور دروازہ کھولنے کے لیے کہا ۔ اندر سے پوچھا گیا کون ہے کہا گیا جبرائیل ۔ پھر پوچھا گیا ساتھ کون ہے ؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے ؟ کہا ہاں ! اندر والے نے کہا مرحبا کیسا اچھا ہے آنے والا ۔ پھر دروازہ کھولا اور میں اندر گیا ۔ وہاں یحییٰؑ اور عیسےٰؑ دونوں خالہ زاد بھائی تھے ۔ کہا یہ یحییٰؑ اور عیسےٰؑ ہیں ۔ ان کو سلام کہیں ۔ سو میں نے انہیں سلام کہا اور انہوں نے اس کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید صالح بھائی اور صالح نبی ۔ پھر جبرائیل مجھے اور اوپر لے گیا ۔۔۔" (بخاری کتاب المناقب جلد ۳ ۔ پارہ ۱۵)

اس سے آگے بقیہ حدیث میں تیسرے آسمان پر آپ کو حضرت یوسف

ملے۔ چوتھے پر حضرت ادریسؑ۔ پانچویں پر حضرت ہارونؑ۔ چھٹے پر حضرت موسیٰ اور ساتویں پر حضرت ابراہیمؑ۔ اس سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تھی۔ پھر آپ کو بیت المعمور دکھایا گیا۔ پھر آپ کی خدمت میں تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک شراب کا، دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا۔ آپ نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبرائیل نے کہا یہ فطرت ہے جو آپ کو اور آپ کی امت کو دی گئی ہے۔ پھر آپ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ واپس لوٹ رہے تھے تو حضرت موسےٰ نے کم کرانے کا مشورہ دیا۔ پھر دس کم کی گئیں۔ پھر دس اور کم کی گئیں۔ پھر دس اور۔ پھر دس اور۔ پھر بھی حضرت موسیٰ نے کم کرانے کا مشورہ دیا پھر پانچ کردی گئیں۔ پھر آپ نے مشورہ قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ اب مجھے حیا محسوس ہوتی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی باقی وفات یافتہ نبیوں کے ساتھ ہی تھے پس ان کے متعلق الگ نظریہ قائم کرنا کہ وہ اس جسم کے ساتھ وہاں رہائش رکھتے تھے بڑی غلطی ہے۔ وہ بھی درحقیقت باقیوں کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ اسی لیے ان کے ساتھ دکھائے گئے۔ ان کا بالخصوص یحییٰ نبی کے ساتھ دکھایا جانا جو عالمِ برزخ میں تھا ثابت کرتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ عالم برزخ میں ہی تھے اور عالم برزخ میں رہنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنْ وَّرَآءِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝

(                    ) کہ ان کے پیچھے ایک روک ہے جو قیامت کے دن تک رہے گی۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی پہلا نبی عالم برزخ سے اس دنیا میں نہیں آسکتا۔ پس امت محمدیہؐ میں حضرت عیسیٰؑ کی اصالتاً آمد محال ہے۔

پانچویں حدیث:

وہ ہے جو باب ۲ میں نمبر ا پر درج ہوئی ہے کہ آنے والے مسیح کا حلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گندمی رنگ اور سیدھے اور لمبے بال بتایا۔ اور حدیث نمبر ۱۳ میں حضرت مسیح ابن مریم کا حلیہ سُرخ رنگ اور گھنگریالے بال بتایا۔ ہر دو مسیح کے حلیہ میں اختلاف بتاتا ہے کہ آنے والا مسیح پہلے مسیح سے مختلف شخص ہوگا۔ لہذا پہلے مسیح کا بجسدہ العنصری زندہ رکھنا بے فائدہ ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کوئی لغو اور بے فائدہ کام نہیں کرتا اس لیے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی وفات ثابت ہے۔

چھٹی حدیث:

بخاری کتاب التفسیر میں امام بخاری نے سورۃ مائدہ کی تفسیر میں بہت سے باب باندھے ہیں۔ ان میں آخری تین بابوں میں سے پہلا یہ ہے:۔

باب قوله ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة ولا وصيلة ولا حام۔ واذ قال الله يقول قال الله و اذ ههنا صلة۔ المائدة اصلها مفعولة كعيشة راضية وتطليقة بائنة والمعنى

میدبها صاحبها من خیرٍ لقال مادنی یمیدنی۔ وقال ابن عباس متوفّیکَ ممیتک۔

ترجمہ: ماجعل اللّٰہ من بحیرۃٍ ولا سائبۃٍ ولا وصیلۃٍ ولاحامٍ۔ واذ قال اللّٰہ میں قال یقول کے معنے میں ہے اذ اس جگہ زائد ہے المائدہ اصل میں مفعول کے معنوں میں ہے اگرچہ صیغہ فاعل کا ہے۔ جیسے عیشۃٍ راضیۃٍ اور تطلیقۃٍ بائنۃٍ اور اس کے معنے ہیں خیر اور بھلائی جو کسی کو دی گئی اور اسی سے ہے مادنی یمیدنی۔ ابن عباس نے کہا متوفیک، کے معنے ہیں میں تجھ کو موت دینے والا ہوں۔

متوفیک کا لفظ سورہ آل عمران میں آتا ہے جس میں ہے یا عیسیٰ انّی متوفیک ورافعک الیّ۔ لیکن سورہ مائدہ میں بھی فلما توفیتنی کے الفاظ ہیں۔ اس لیے امام بخاری نے حضرت ابن عباس کے قول سے اس کی تفسیر یہاں بیان کر دی۔ حضرت ابن عباس کی اس تفسیر کو اپنی صحیح میں درج کر کے خود بھی امام بخاری نے اس کی تصدیق کر دی۔ حضرت ابن عباس نے یہ معنے بیان کرنا وفات مسیح کے ثبوت کو حدیث کے رو سے بھی انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔

یہ بات بھی غور کے لائق ہے کہ حدیثوں میں کہیں ذکر نہیں کہ حضرت مسیح جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے۔ نہ ہی امام مالک یا امام بخاری یا امام مسلم یا باقی محدثین نے حیات مسیح یا مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کا کوئی باب باندھا ہے۔ صرف نزول مسیح کا ذکر ہے اور

اسی کا باب باندھا ہے۔

پھر امام بخاری نے کتاب التفسیر میں سورہ مائدہ کی آیت وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کو درج کر کے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر میں یہ حدیث درج کی ہے۔ جس کا مضمون پہلے بھی آ چکا ہے۔ کہ قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابی گرفتار کیے جائیں گے تو آپ کہیں گے یہ تو میرے صحابہ ہیں تو آپ کو کہا جائے گا کہ آپ کو علم نہیں کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا نئی باتیں پیدا کی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس وقت میں وہی کہوں گا جو العبد الصالح یعنی عیسیٰ علیہ السلام خدا کے حضور کہہ چکے ہوں گے وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ سے قول العزیز الحکیم کے الفاظ تک کہیں گے یعنی میں ان صحابہ کا اس وقت تک نگران تھا جب تک ان میں رہا۔ سو جب اے خدا تو نے مجھے وفات دیدی تو ان کا تو ہی نگران تھا اور تو تو ہر چیز کا نگران ہے۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہی ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو العزیز اور الحکیم ہے۔

امام بخاری یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن ان صحابہ کے متعلق جو گرفتار ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام والا بیان دیکر یہ ظاہر فرما چکے ہیں کہ فلما توفیتنی کے جو معنی حضور

نے اپنے متعلق ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیے ہیں وہی معنی آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں مراد ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان بھی ان کے وفات یافتہ ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کسی اور معنی پر۔ فتدبروا یا اولی الابصار۔

## بابِ ششم

# وفاتِ مسیح از روئے اقوالِ بزرگانِ دین

### متقدمین:

۱۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جو یہ خیال پیدا ہوا کہ حضور نے وفات نہیں پائی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت شدت سے اس کے داعی ہوئے اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا اس کا ذکر بخاری کی ایک حدیث میں آچکا ہے جو باب چہارم میں زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ درج کی گئی ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بالوضاحت ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق یہی تھا کہ وہ وفات پا چکے ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کبھی بھی وہ استدلال نہ کرسکتے جس سے آپ نے اس وقت حضرت عمر رضؓ اور باقی صحابہ رضؓ کی غلط فہمی کو دور فرمایا اور وہ سمجھ گئے کہ واقعی ان کا محبوب و آقا سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکا ہے۔ نہ آپ سے پہلے کوئی نبی زندہ رہا اور نہ آپ نے زندہ رہنا تھا۔

(۲) اوپر والے واقعہ کے بعد جو اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم میں سابقہ تمام نبیوں کی وفات کے متعلق پیدا ہوا اس میں حضرت مسیح بھی شامل تھے یہ اجماع بتاتا ہے کہ اس وقت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عقیدہ پر قائم ہو گئے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام وفات پا چکے ہوئے ہیں اور وفات مسیح کا اقرار اس خاموشی سے کیا جو انہوں نے اس موقعہ پر اختیار کی۔ پس یہ پہلا اجماع سکوتی ہے جو صحابہ کرام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہونے والے انبیاء کی وفات پر ہوا۔

۳۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ۔

آپ نے حضرت علی رض کی وفات پر فرمایا:۔

ایّہا النّاس قد قبض اللیلۃ رجلٌ لم یَسْبِقْہُ الاوّلون ولا یُدْرِکُہُ الآخرون .... ولقد قبض فی اللیلۃ عُرِجَ فیہا بِرُوْحِ عیسیٰ ابْن مریم لیلۃ سبع وعشرین من رمضان (طبقات کبیر جلد ۳ صـ۳۶)

ترجمہ: اے لوگو آج رات وہ شخص فوت ہو گیا ہے جس سے نہ پہلے سبقت لے سکے اور نہ بعد میں آنے والے لے سکیں گے، .... اس نے اسی رات میں وفات پائی ہے جس رات عیسےٰ ابن مریم کی روح اٹھائی گئی تھی یعنی ستائیسویں رمضان کی رات۔

اس میں عیسےٰ علیہ السلام کی روح کے اپنے خدا کے پاس جانے کا ذکر ہے نہ ان کے جسم کا۔ پس حضرت امام حسن رض بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔

(۴)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے کا ذکر بھی صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سے کیا جا چکا ہے۔ آپ نے آیت یا عیسیٰ انی متوفیک اور فلما توفّیتنی میں توفّی کے معنے متوفیک ممیتک کہہ کر موت کے سوا اور کچھ نہ کیے۔ حضرت ابن عباسؓ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن فہمی کی دعا فرمائی تھی اور آپ فہم قرآن میں مانے گئے ہیں۔ سو آپ کی رائے تفسیر کے بارے میں کوئی معمولی رائے نہیں ہے۔ آپ نے یقیناً حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ سمجھا اور بتایا۔

تفسیر خازن مصنفہ علامہ علاء الدین علی بن محمد میں بھی حضرت ابن عباس کی اس تفسیر کو بیان کیا گیا ہے قال ابن عباس معناہ انی ممیتک۔ (جلد ۱ صـ۲۸۵)

(۵) حضرت امام مالک فقہ کے چار اماموں میں سے پہلے امام ہیں۔ آپ نے اپنی موطّا میں مسیح کے باب میں جو حدیث بیان کی ہے وہ بتاتی ہے کہ آپ نے اسی بات کو صحیح سمجھا کہ پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے اور آنے والا دوسرا مسیح ہوگا۔ یہ حدیث باب دوم میں نمبر ا پر درج ہو چکی ہے۔

مجمع البحار میں بھی حضرت امام مالک کا یہی عقیدہ لکھا ہے:

والاکثر ان عیسیٰ علیہ السلام لم یمُت وقال مالک مات۔

یعنی اکثر تو یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوئے لیکن امام مالک کہتے ہیں وہ فوت ہو چکے ہیں۔

(۶) حضرت امام بخاری نے بھی حضرت ابن عباس کی تفسیر متوفیک ممیتک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے اندراج سے یہ ظاہر فرمادیا کہ وہ بھی اس سے متفق ہیں۔ ورنہ وہ اس سے اختلاف کا کسی طور سے اظہار فرماتے۔

علاوہ ازیں انہوں نے نزول عیسےٰ کے باب میں حدیث نبوی کے الفاظ امامکم منکم درج فرما کر بھی اس امر کی تصدیق فرمادی کہ وہ اسے ہی درست سمجھتے ہیں۔ کہ آنے والا عیسےٰ امت محمدیہ میں سے ہوگا اور اس طرح سے پہلے مسیح کی وفات کو تسلیم کیا۔ انہوں نے وہ حدیثیں بھی دیں جن میں اسرائیلی مسیح کا حلیہ سرخ رنگ اور گھنگریالے بال بتائے اور آنے والے مسیح کا حلیہ گندمی رنگ اور سیدھے اور لمبے بال۔ ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آنے والے مسیح کو پہلے مسیح سے مختلف شخص کہتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ سب کو معلوم ہے۔ ان کی صحیح بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے۔

(۷) امام ابن حزم کی نسبت لکھا ہے:

وتمسک ابن حزم بظاھر الآیۃ وقال بموتہ

(جلالین زیر آیت یعیسیٰ انی متوفیک)

یعنی ابن حزم نے آیت کے ظاہر معنے لے کر فرمایا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ پس امام ابن حزم نے حیات مسیح ثابت کرنے کے لیے متوفیک اور فلما توفیتنی کی کوئی تاویل نہیں کی بلکہ لغوی اور محاورہ

کے معنی کو اختیار کر کے ان کی وفات کے قائل ہوئے ہیں۔ محلّی ابن حزم میں بھی ان کا یہی مذہب درج ہے۔

(۸) حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:۔

واما ما یذکر عن المسیح انه رُفع الی السماء وله ثلاثة وثلاثون سنة فهذا لایُعرف له سَنَدٌ مُتَّصِلٌ یجب المصیر الیه۔

(زاد المعاد ص۲۰ مطبوعہ مطبعۃ الثمینیۃ مصر۔ نیز فتح البیان جلد ۲ ص۴۹ مؤلفہ صدیق بن حسن قنوجی)

یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے اور ان کی عمر ۳۳ سال کی تھی اس کی کوئی متصل سند نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

اسی طرح معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

" لمّا کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی مقامه خَرْقِ العَوَائِدِ حتّیٰ شُقَّ بطنُه وهو حَیٌّ لایتألّم بذالک عُرِجَ بذات رُوحِهِ المقدسةِ حقیقة من غیر إماتةٍ ومَنْ سواه لاینالُ بذات روحه الصعود الی السمآء الّا بعد الموت والمفارقة فالانبیاء انّما استقرّت ارواحهم هُناک

بعدَ مفارقۃِ الابدانِ دُرُوْحُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صَعِدت الی ھناک فِی حال الحیٰوۃ ثم عادت ولبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء (زاد المعاد مصری جلد ۱ ص ۳۰۴)

ترجمہ:۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خرق عادات کے مقام پر تھے (جہاں اللہ تعالیٰ کا سلوک ہر لحاظ سے غیر معمولی ہوتا ہے) یہاں تک کہ آپ کا سینہ بھی چیرا گیا اور آپ زندہ تھے اور پھر بھی اس سے آپ کو کوئی درد نہ ہوا آپ اپنی پاکیزہ روح کے ساتھ واقعی بغیر وفات پا جانے کے اوپر اٹھائے گئے اور آپ کے سوا کوئی شخص بھی اپنی روح کے ساتھ آسمان پر نہیں جا سکتا مگر موت اور دنیا سے الگ ہونے کے بعد پس انبیا کی روحیں جسموں سے الگ ہو جانے بعد ہی وہاں قیام پذیر ہوتی ہیں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح زندگی میں ہی اوپر چڑھ گئی اور پھر واپس لوٹ آئی اور وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس مستقل طور پر ٹھہر گئی باقی انبیاء کی روحوں کے ساتھ۔

اس جگہ علامہ حافظ ابن قیم نے اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور شخص زندہ ہونے کی حالت میں آسمان پر نہیں گیا بلکہ سب نبیوں کی ارواح اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے وفات پا چکنے کے بعد ہی وہاں قرار پذیر ہیں۔ اس بیان میں انہوں نے حضرت عیسےٰ کی استثناء نہیں فرمائی۔ نہ استثناء کر سکتے

تھے کیونکہ ان کے نزدیک زندگی میں کسی نبی کی روح کا آسمان پر جانا امر خارق عادت تھا جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہوا۔ دوسرے تمام انبیاء سابقین کی ارواح ان کی وفات کے بعد ہی آسمان پر قرار پذیر ہیں۔ پس وہ ان علماء میں سے تھے جو وفات مسیح کے قائل تھے۔

(۹) علامہ شوکانی زیر آیت فلما توفیتنی لکھتے ہیں:۔

قیل ھذا یدل علی ان اللہ سبحانہ توفاہ قبل ان یرفعہ۔ (فتح القدیر قلمی ص۴)

یعنی کہا گیا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو وفات دینے کے بعد پھر ان کا رفع کیا۔

(۱۰) ابو عبد اللہ محمد بن یوسف اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔

یدل علی انہ توفاہ وفات الموت قبل ان یرفعہ۔

(بحر محیط جز ۴ ص۶۱)

یعنی یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو موت والی وفات دے دی تھی قبل اس کے کہ آپ کا رفع کرتا۔

(۱۱) علامہ جبائی مشہور شیعہ مفسر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

وفی ھذہ الایۃ دلالۃ انہ امات عیسیٰ وتوفاہ ثم رفعہ الیہ۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۱)

یعنی یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے عیسیٰ کو موت دی اور

پھر ان کا اپنی طرف رفع کیا۔
(۱۲) حضرت محی الدین ابن عربی لکھتے ہیں:۔
رَفْعُ عِیسٰے علیہ السلام اِتِّصَالُ روحِہٖ عند المفارقۃ
عن العالم السِفلیّ بالعالِمِ العلویِّ ...... وجب نزول
فی اٰخرالزمان بتعلّقِہٖ ببدنٍ اٰخَرَ (تفسیر حضرت ابن عربی صـ۶۵)
یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع سے مراد آپ کی روح کا مفارقت
(جسم سے علیحدگی) کے بعد عالم سفلی سے عالم علوی کے ساتھ اتصال
پکڑنا ہے....... آخری زمانہ میں اس کا نزول کسی دوسرے بدن سے
متعلق ہے۔
حضرت ابن عربی کی مراد یہی ہے کہ رفع کے وقت فقط روح اس
اوپر والے عالم میں گئی جہاں ہر ایک کی روح وفات کے بعد جاتی ہے
اور آخری زمانہ میں ان کا نزول بروزی رنگ میں ہوگا نہ اصالتاً۔
جیسا کہ شیعہ عالم مرزا ابوالفضل نے بھی اپنی کتاب النجم الثاقب
کے صـ۴۳ پر لکھا ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے کسی روح کی صفات
کا دوسرے کے ذریعہ سے ظاہر ہونا ایک طرح سے اس روح کا آنا ہوتا
ہے۔ حضرت عیسٰے ابن مریم کا نزول اسی طور سے حضرت مہدی معہود
و مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے ذریعہ ہوا۔ ورنہ یہ مراد
ہرگز نہیں کہ بعینہٖ وہی روح نازل ہو کر دوسرے جسم میں قیام پذیر ہوگئی۔

## زمانہ حاضرہ کے علماء

(۱۳) علامہ سیّد محمود شلتوت رئیس الازہر (یونیورسٹی الازہر) مصر۔

۱۹۴۲ء میں ایک شخص نے یہ فتویٰ دریافت کیا کہ قرآن کریم سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے یا حیات۔ علامہ موصوف اس وقت صرف فتویٰ کمیٹی مصر کے ممبر تھے لیکن بعد میں آپ رئیس الازہر بنا دئے گئے۔ یہ استفسار آپ کے سپرد کیا گیا۔ آپ نے اس کا نہایت مدلل جواب دیا جو کئی صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی مرتبہ الرسالة مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۴۲ء جلد ۱۰ ص ۶۴۲ پر شائع ہوا بعد میں دسمبر ۱۹۵۹ء میں یہ آپ کے فتاوی کے مجموعہ مطبعۃ الازہر موسومہ الفتاوی میں شائع ہوا۔ اس کا جو خلاصہ علّامہ موصوف نے اپنے فتویٰ کے آخر میں دیا ہے وہ یہ ہے:۔

۱۔ انّہ لیس فی القرآن الکریم ولا فی السُنّۃِ المطھرۃ مستند یصلح لتکوین عقیدۃ یطمئن الیھا القلب بانّ عیسٰے رُفِع بجسمہٖ الی السّمآء وانّہ حیٌّ الی الآن فیھا وانہ سینزل منھا آخر الزمان فی الارض۔

۲۔ ان کل ما تفیدہ الاٰیاتُ الواردۃُ فی ھٰذا الشانِ ھو وَعَدُ اللّٰہُ عیسٰی بانّہ متوفیہ اَجَلَہ ورافعہ الیہ وعاصِمُہ من الذین کفروا وانّ ھٰذا الوعد قد تحقّق فلم یَقْتُلْہُ اعداؤہ ولم یَصْلبُوہ ولکن وَفّاہُ اللّٰہ

اَجلَهُ و رفعه الیه۔

ترجمہ: قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں ہرگز کوئی ایسی سند نہیں ہے جس سے یہ عقیدہ صحیح قرار دیا جا سکتا ہو اور دل بھی مطمئن ہو جاتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم سمیت آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور اب تک وہاں زندہ ہیں۔

۲۔ حضرت عیسےٰ کے متعلق قرآنی آیات یہ بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کو طبعی موت سے ماریگا اور ان کا اپنی طرف رفع کریگا اور ان کو کفار کے شر سے بچا لیگا اور یہ وعدہ یقیناً پورا ہو گیا اور ان کے دشمن ان کو قتل نہ کر سکے اور نہ صلیب پر چڑھا کر مار سکے بلکہ خدا تعالےٰ نے ان کی مدت زندگی کو پورا کیا اور ان کا اپنی طرف رفع کیا۔

علامہ موصوف نے متعلقہ تمام آیات قرآنی کو زیر بحث لانے کے بعد یہ فتویٰ شائع فرمایا اور عوام کی رہنمائی فرمائی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اس فتویٰ کو باقاعدہ آفیشل حیثیت حاصل ہے۔

(۱۴) الاستاذ مصطفیٰ المراغی رئیس ازہر یونیورسٹی اپنی تفسیر "المراغی" میں لفظ توفی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

واذ قال اللہ یا عیسےٰ انی متوفیک و رافعک الیّ دفی هذہ البشارۃ بنجاته من مکرهم واستیفاء اجله وانهم لاینالون منه ما کانوا یریدون بمکرهم وخبثهم

وانّ التوفّی ھو الاماتۃ العادیۃ وان الرفع بعدہ للروح والمعنیٰ انی ممیتک وجاعلک بعد الموت فی مکانٍ رفیعٍ عندی کما قال فی ادریس علیہ السلام ورفعنٰہ مکاناً علیاً۔

(تفسیر المراغی الجزء الثالث صـ۱۶۵)

ترجمہ: اور جب خدا تعالےٰ نے فرمایا یا عیسٰے انی متوفیک ورافعک الی تو اس میں حضرت عیسٰی کی یہود کے مکر سے نجات کی بشارت دی اس بات کی کہ وہ اپنی طبعی عمر کو پہنچیں گے اور یہود جو اپنے مکر اور خباثت سے آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے وہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ پس توفی سے مراد طبعی موت سے وفات پانا ہے اور اس کے بعد رفع سے مراد روح کا رفع ہے اور آیت کے معنے یہ ہیں کہ میں تجھے طبعی موت دونگا اور موت کے بعد تجھے اپنے حضور عزت والی جگہ میں رکھوں گا جس طرح حضرت ادریس کے متعلق فرمایا ورفعناہ مکاناً علیاً (یعنی ہم نے اس کو بلند مقام پر اٹھایا یعنی شرف والی جگہ دی)۔

یہ اس شخص کی تفسیر ہے جو عالم اسلام میں چوٹی کا عالم تھا اور نہایت درجہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور جس نے بڑھاپے تک قرآن کریم کے درس دینے کا اہتمام کیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(۱۵) مصر کے علامہ عبد الکریم شریف نے ۱۹۵۱ء میں اپنی علمی تصنیف "النفحۃ الاولیٰ من التاویل" میں قرآن کریم کے بعض مشکل مقامات کا

حل کیا ہے۔ اس میں وہ وفاتِ مسیح کا بھی ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

والمسیح علیہ السلام طبعاً وکما یذکر القرآن قد توفّٰہُ اللہ ورفعہ الیہ وطھّرہ مثل ما یتوفّانا و یرفعنا الیہ ویطھرنا ..... وھل فی ذٰلکم من شك؟ لکن تعال واقرأ الآیۃ الکریمۃ التالیۃ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ...... عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔

ترجمہ:۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو طبعی لحاظ سے اور جیسا کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے اللہ نے وفات دی۔ اور اس کا اپنی طرف رفع کیا اور اس کو پاک کیا جس طرح وہ ہمیں وفات دیتا ہے اور ہمارا اپنی طرف رفع کرتا ہے اور ہمیں پاک کرتا ہے اور کیا اس میں کوئی شک ہے؟ آؤ اور یہ آیت پڑھو وقولھم انّا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبّہ لھم ..... الخ

اس سے معلوم ہوا کہ علّامہ موصوف اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں دیکھتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

(۱۶) الاستاذ عبدالوہاب النجار جو "اصول الدین کالج" میں تاریخ اسلام کے پروفیسر ہیں اپنی مشہور تصنیف "قصص الانبیاء" کے چوتھے ایڈیشن میں جو ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا زیر آیت وکنت علیہم شہیداً مادمت

فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم (مائدہ) زیرِ عنوان "موقف المسیح فی یوم الآخر" یعنی حضرت مسیح کا موقف قیامت کے دن" لکھتے ہیں :-

وانّہ کان یراقبہم ویسدّدھم بالنصائح الیٰ وفاتہ ولبعد ذٰلک کان اللہ الرقیب علیہم۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نگرانی اور ان کی اصلاح نصائح کے ساتھ اپنی وفات تک کرتے رہے اور اس کے بعد یعنی ان کی وفات کے بعد ان پر اللہ نگران تھا۔

سو یہ پروفیسر صاحب بھی کیسی وضاحت سے وفاتِ مسیح کا اعلان کرتے ہیں۔

(۱۷) الاستاذ احمد العجوز جو بیروت (لبنان) کے مشہور ترین عالم ہیں اور جن کے سپرد بہت سے مذہبی فرائض ہیں۔ آپ اوقاف کی مرکزی کمیٹی کے ممبر ہیں اور آپ کے سپرد جنوبی لبنان کے جملہ مدارس کا انتظام بھی ہے۔ ان کے ساتھ مولانا شیخ نور احمد منیر سابق مبلغ شام کو تبادلہ خیالات کا موقعہ ملا۔ علامہ موصوف نے وفاتِ مسیح کا اقرار کیا اور حسب ذیل تحریر لکھ کر دی جو بیروت میں ہمارے مشن کی لائبریری میں محفوظ ہے اور وہ یہ ہے :-

انّ السید المسیح قد مات فی الارض حسب قول اللہ تعالیٰ انی متوفّیک ای ممیتک والموت امرٌ کائنٌ لا

محالۃ اذقال اللّٰہ عن لسانہ والسّلام علیّ یوم ولدت
ولیوم اموت (احمد العجوز)

ترجمہ: حضرت مسیح علیہ السلام اسی زمین پر فوت ہوئے اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انی متوفیک یعنی میں تجھے وفات دوں گا۔ اور موت ایک ایسی چیز ہے جو واقعہ ہو کر رہتی ہے۔ اور خدا نے بھی بزبان مسیح فرمایا ہے والسلام علیّ یوم ولدت ولیوم اموت۔

(۱۸) علامہ رشید رضا ایڈیٹر رسالہ "المنار" وسابق مفتی مصر اپنے رسالہ المنار کی جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۰، ۹۰۱ میں ایک مضمون کا عنوان یہ باندھتے ہیں:-

"القول بِھِجْرَۃ المسیح اِلیٰ الْھِنْد وموتہ فی
بلدۃ (سری نگر) فی کشمیر"۔

یعنی سرزمین ہند کی طرف مسیح کی ہجرت اور سری نگر کشمیر میں ان کی وفات۔

مضمون کے آخر میں اس کا خلاصہ یوں نکالتے ہیں۔

نفرارہ الی الھند وموتہ فی ذٰلک البلد لیس
ببعیدٍ عقلاً ولا نقلاً۔

یعنی حضرت مسیح کا ہندوستان کی طرف ہجرت کرکے چلے جانا اور اس شہر (سری نگر) میں ان کا وفات پانا عقل اور نقل کے رو سے بعید نہیں۔

(۱۹) علامہ محمد عبدہ مصر کے مفتی تھے۔ آپ کو حجۃ الاسلام اور شیخ الاسلام کے خطابات دیئے گئے۔ آپ کے شاگردوں کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے آپ انی متوفیک و رافعک الیّ و مطھرک من الذین کفروا کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کے نقطہ نظر کو تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

التوفی ھُنا الاماتۃُ کما ھو الظاھر المتبادر (المنار)

یعنی توفی کے معنے موت کے ہیں جیسا کہ ظاہر اور سیاق اور سباق سے سمجھ آتا ہے۔

(۲۰) مولانا عبید اللہ سندھی تحریر فرماتے ہیں :۔

ومعنیٰ متوفیک ممیتک واما ما شاع بین الناس من حیاۃ عیسٰے علیہ السلام فھی اُسطورۃ یھودیہ وصابیہ۔

ترجمہ : متوفیک کے معنے ہیں میں تجھے موت دونگا اور عیسٰے علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں جو لوگوں میں مشہور ہے وہ صرف یہودیوں اور صابیوں کی بنائی ہوئی کہانی ہے۔

(۲۱) سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ یونیورسٹی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

" اب ہم کو قرآن مجید پر غور کرنا چاہئیے کہ اس میں کیا لکھا ہے قرآن مجید میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے .... پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کا طبعی موت سے وفات پانا

ظاہر ہے مگر چونکہ علمائے اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ قبل اس کے کہ قرآن پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔ (تفسیر احمدی جلد ۲ صـ۴۸)

(۲۲) مولانا ابوالکلام آزاد نے ڈاکٹر انعام اللہ خاں سالاری بلوچستان کے استفسار مرقومہ ۶؍اپریل ۱۹۵۶ء کے جواب میں لکھا۔

"وفات مسیح کا ذکر خود قرآن مجید میں ہے۔ مرزا صاحب کی تعریف اور برائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

(ملفوظات آزاد مرتبہ محمد اجمل خاں مطبوعہ کراچی صـ۱۲۹-۱۳۰)

(۲۳) ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں:۔

"جہاں تک میں نے اس تحریک کی منشا کو سمجھا ہے احمدیوں کا یہ اعتقاد کہ مسیح کی موت ایک فانی انسان کی موت تھی اور رجعت مسیح گویا ایک ایسے شخص کی آمد ہے جو روحانی حیثیت سے اس کا مشابہ ہو۔ اس خیال سے یہ تحریک معقولی رنگ رکھتی ہے۔" (خطبات مدراس)

(۲۴) علامہ عنایت اللہ مشرقی۔

"اس میں یہ عبرتناک سبق موجود ہے کہ حضرت عیسٰے کی موت بھی اسی سنت الٰہی کے مطابق ہوئی جس کی بابت قرآن نے کہا ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ (تذکرہ جلد ۱ حاشیہ صـ۱۶-۱۷)

(۲۵) غلام احمد پرویز ایڈیٹر طلوع اسلام:۔

"تصریحات بالا سے یہ بات سامنے آگئی کہ قرآن کریم نے کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے اس خیال اور باطل عقیدہ کی تردید کر دی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دیا گیا تھا۔ باقی رہا عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ زندہ آسمان پر اُٹھا لیے گئے تھے تو قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دوسرے رسولوں کی طرح اپنی مدتِ عمر پوری کرنے کے بعد وفات پائی۔" (اشعۂ مستور کراچی صـ)

سبحان اللہ کیا شان ہے اس قادر توانا کی کہ جب حضرت مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۸۹۰ء کے قریب یہ فرمایا کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں اور اب ان کے دوبارہ آنے کا انتظار عبث ہے۔ تو علمائے نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی مہریں لگا کر آپ کیخلاف کفر کا فتویٰ دیا اور اب یہ حالت ہے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک
بڑے بڑے جید علماء یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ واقعی حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ اب ایک قدم رہ گیا ہے کہ جس مسیح کی خوشخبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور جس کو حضور کا سلام پہنچانے کا ارشاد فرمایا وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ہیں جو مثیل مسیح ہو کر تشریف لائے اور اپنی سب برکتوں کے ساتھ آئے۔ دنیا یہ بھی انشاء اللہ مانے گی اور ضرور مانے گی۔ یہ اللہ کی تقدیر ہے جو پوری ہو کر رہے گی اور آپ ہی کے ہاتھوں اسلام کو وہ غلبہ حاصل ہو گا۔ جس کی بشارتیں اس ہادیِ اعظم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف سے دی گئی ہیں - اور دیکھنے والوں کو خدا کی کتاب قرآن مجید میں بھی نظر آتی ہیں - ہمارے اللہ کو سب قدرتیں حاصل ہیں -

## باب ہفتم

# وفات یافتہ لوگ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آتے

قرآن کریم حتمی طور پر یہ فیصلہ فرماتا ہے کہ فوت ہو جانے کے بعد کوئی شخص زندہ ہو کر دوبارہ اس دنیا میں نہیں آتا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے :-

۱۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ○ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ (انبیاء آیت ۹۵-۹۶)

ترجمہ : پس جو کوئی اعمال صالحہ کرے اور وہ ایمان لانے والا ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اور ہم اس کے لیے (اجر) لکھ دیتے ہیں (لیکن یہ یاد رکھو کہ یہ زندگی ایک ہی دفعہ ملتی ہے) اور ہر ایک بستی جسے ہم ہلاک کر دیتے ہیں اس کے لیے یہ فیصلہ ہے کہ اس کے بسنے والے لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آئیں گے (اس لیے جو تم نے نیک اعمال کرنے ہوں وہ اب کر لو۔ پھر موقعہ نہیں ملے گا۔)

اهلکنا کا لفظ اهلاک سے فعل ماضی ہے اور یہ فعل متعدی ہے یعنی مفعول کو بھی چاہتا ہے هلك اس کا مادہ ہے جس کا مصدر لازم هلاكة

ہے جس کی ماضی ھَلَكَ مطلق مرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اس کے استعمال میں ضروری نہیں کہ مرنے والا عذاب کے نیچے لا کر مارا جائے بلکہ مطلق مرنا مراد ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ان معنوں میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے: حَتّٰى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا یعنی جب یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے تو تم نے کہا کہ اللہ اس کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح فرماتا ہے اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ (نساء ۱۷۸) یعنی اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کا کوئی بیٹا نہ ہو۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ کفار کی بات کو بیان فرماتا ہے وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ آیت ۲۵) یعنی ہمیں نہیں مارتا مگر زمانہ۔ اس جگہ کفار کی طرف سے اہلاک متعدی کو بھی مطلق موت دنیا کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ (مفردات راغب)

حضرت ابن عباس بھی اس آیت کے یہی معنے کرتے ہیں کہ جو لوگ ہلاک کر دیئے جائیں گے وہ قیامت سے پہلے پھر دوبارہ نہ آئیں گے (تفسیر ابن کثیر) وحرام کے معنے ہیں کہ اس کے لیے یہ قطعی فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ یہ نہیں کہ کبھی اللہ تعالیٰ کسی مردہ کے متعلق یہ فیصلہ فرما دے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں آکر زندگی بسر کرے۔

ایک حدیث بھی ان معنوں کو مزید واضح کرتی ہے:-

عن جابر بن عبد اللہ قال لقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا جابر مالی اراک منکسرًا قلتُ

يَارَسُوْلَ اللهِ اسْتُشْهِدَ اَبِیْ وَتَرَكَ عِيَالاً وَدَيْناً ۔
فَقَالَ اَلَا اُبَشِّرُكَ مَا لَقِيَ اللهُ بِهِ اَبَاكَ قَالَ بَلیٰ ...
.... قَالَ يَا عَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَيَّ اُعْطِكَ ۔ قَالَ يَا رَبِّ
تُحْيِيْنِیْ فَاُقْتَلُ فِيْكَ ثَانِيَةً قَالَ الرَّبُّ تَعَالیٰ قَدْ
سَبَقَ مِنِّیْ اَنَّهُمْ لَا يُرْجَعُوْنَ ۔ (نسائی ۔ ابن ماجہ)

ترجمہ: جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں غمگین دیکھتا ہوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا والد شہید ہو گیا ہے اور بچے اور قرضہ پیچھے چھوڑ گیا ہے ۔ آپ نے فرمایا کیا میں تجھے خوشخبری دوں کہ تیرے باپ کو اللہ کے حضور کیا معاملہ پیش آیا ؟ میں نے عرض کیا فرمائیے (یہاں طوالت کی وجہ سے حدیث کا ایک حصہ چھوڑ دیا گیا ہے) اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ سے کہا اے میرے بندے میرے سامنے کوئی خواہش کر ۔ تاکہ میں اُسے پورا کروں ۔ اس نے کہا اے میرے رب مجھے زندہ کر دے تاکہ میں دوبارہ تیرے راستے میں مارا جاؤں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ مردے نہیں لوٹیں گے ۔

واضح ہو کہ اسی فیصلہ کا ذکر اوپر کی آیت میں انھم لا یرجعون میں کیا گیا ہے ۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے جس میں اللہ تعالیٰ شہدا کی ارواح کو فرماتا ہے :۔

ماذا تبغون یعنی تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمیں کچھ حاجت نہیں۔ پھر یہ سوال ہوتا ہے یہاں تک کہ فلمّا راؤا انھم لا یُتترکون من ان یُسْئلوا قالوا نرید ان تردّنا الی الدار الدنیا فنقاتل فی سبیلک حتی نقتل فیک مرّۃ اخریٰ لما یرون من ثواب الشھادۃ فیقول الربُّ جلّ جلالہ انی کتبتُ انھم الیھا لا یُرجعون۔

ترجمہ: جب وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بار بار فرما رہا ہے کہ وہ سوال کریں تو وہ کہیں گے ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیجدیں تاکہ ہم پھر آپ کے راستے میں جنگ کریں اور شہید کیے جائیں کیونکہ انہیں شہید ہونے کا ثواب معلوم ہو چکا ہوگا۔ تو رب جل جلالہ فرمائے گا کہ میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ انہیں اس دنیا کی طرف پھر نہیں لوٹایا جائے گا۔

اسی طرح مسلم کی ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق فرماتے ہیں:۔

والذی نفس محمدٍ بیدہ لَوَدِدتُ انّی اَغْزُوا فی سبیل اللہ فاُقتل ثم اَغْزُو فاقتل ثم اغزو فاقتل (مسلم کتاب الامارۃ جلد ۵)

ترجمہ: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ جہاد کروں اللہ تعالےٰ کی راہ میں اور پھر مارا جاؤں

پھر جہاد کروں اور پھر مارا جاؤں۔ پھر جہاد کروں اور پھر مارا جاؤں۔
پس اگر اللہ تعالےٰ کسی کو بھی زندہ کر کے اس دنیا میں بھیجتا تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو ضرور پورا فرماتا۔

اسی طرح مسلم کی ایک اور حدیث میں شہیدوں کے متعلق حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے واپس آنا نہیں چاہے گا اور اسباب کی خواہش نہیں رکھے گا کہ اسے دنیا کی کوئی چیز ملے سوائے شہید کے کہ وہ ضرور تمنّا رکھے گا کہ وہ واپس آئے اور دس دفعہ مارا جائے۔ وہ شہادت کی عظمت کی وجہ سے یہ خواہش رکھیگا۔
(مسلم کتاب الامارۃ جلد ۵)

جنت کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ مومن کی ہر خواہش کو پورا کیا جائے گا۔ لَهُمْ مَا يَشَاۤءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَاۤءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (زمر آیت ۳۵) یعنی وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے رب کے ہاں انہیں مل جائے گا۔ محسنوں کا بدلہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اگر یہ خواہش پورا کرنے والی ہوتی اور اللہ تعالےٰ کے فیصلہ کے خلاف نہ ہوتی تو اسے ضرور پورا کیا جاتا۔

(۲) دوسری آیت: حَتّٰۤى اِذَا جَاۤءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۤئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَاۤئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (مومنون آیت ۱۰۰-۱۰۱)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس بھیجدے تاکہ میں دنیا میں واپس جا کر وہ اعمال کروں جو میں چھوڑ آیا ہوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ وہ صرف ایک بات ہوگی جو وہ کہے گا۔ اور ان کے پیچھے ایک پردہ ہے (یعنی وہ برزخ میں رہیں گے) اس دن تک کہ وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

ارجعون سے یہ بھی مراد لی گئی ہے کہ یہاں تعظیم کے لیے جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اور یہ بھی کہ یہ دراصل ارجعی ارجعی ہے یعنی وہ کہنے والا بار بار کہے گا کہ مجھے لوٹا دے، مجھے لوٹا دے۔ مجھے لوٹا دے۔ تاکہ دنیا میں واپس آکر نیک اعمال میں کمی کی تلافی کرلے۔ لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

(۳) تیسری آیت۔ اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ اَنَّهُمۡ اِلَیۡهِمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ٥ وَ اِنۡ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ٥ (یٰس۔ ۳۲-۳۳)

ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنی بستیوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں (اور یہ بھی کہ جن کو ہلاک کیا گیا تھا) وہ واپس نہیں لوٹتے۔ اور سارے کے سارے انسان ہمارے حضور میں پیش کیے جائیں گے۔

اس آیت میں بھی مرنے کے بعد واپس لوٹنا اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ قانون کے خلاف بتایا گیا ہے۔

(۴) چوتھی آیت: ثُمَّ اِنَّکُمۡ بَعۡدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوۡنَ ٥ ثُمَّ اِنَّکُمۡ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ (مومنون آیت ۱۶، ۱۷)

یعنی پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو۔ پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جانے والے ہو۔ یہاں بھی موت کے بعد ایک ہی مرحلہ بتایا اور وہ خدا کے حضور میں پیش ہونے کا ہے۔

(۵) پانچویں آیت سورہ زمر کی ہے جس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ (زمر آیت ۴۳)

ترجمہ: اللہ روحوں کو موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جس روح پر موت وارد نہ ہوئی ہو اسے اس کی نیند کی حالت میں قبض کرتا ہے۔ پھر جس روح کو بصورت موت قبض کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اس کو روک رکھتا ہے یعنی دنیا میں واپس نہیں بھیجتا اور نیند کی صورت میں قبض ہونے والی روح کو گرفت سے ایک مدت مقررہ (یعنی اس کی عمر پوری ہونے تک) واپس چھوڑ دیتا ہے۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ کسی مردہ کا اس دنیا میں زندہ ہو کر واپس آنا خدا تعالےٰ کے اس بیان کردہ قانون کے خلاف ہے۔

ان کے علاوہ قرآن کریم میں اس قسم کی آیات بھی ہیں کہ کفار کہیں گے کاش ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے تو ہم اللہ تعالےٰ کی آیات کی تکذیب نہیں کریں گے اور مومن بن جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ انہیں واپس بھی لوٹا دیا جائے تو بھی وہ اسی قسم کے کام کریں گے جو پہلے

کرتے تھے (انعام آیت ۲۸-۲۹) اس طرح سے اللہ تعالےٰ نے انہیں بتا دیا کہ وہ کسی صورت میں بھی واپس دنیا میں نہیں آئیں گے کیونکہ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان نے اصلاح کرنی ہو تو اس کے لیے یہی زندگی کافی ہے۔ اور اگر اس کو علم ہو کہ وہ دوبارہ واپس بھی آسکتا ہے تو اسی وجہ سے پھر غفلت سے کام لیگا کہ دوبارہ آئیں گے تو تلافی کر لیں گے اس لیے خدا تعالےٰ نے ہر جگہ یہ واضح فرما دیا کہ اس غلط فہمی میں کبھی نہ رہنا کہ مرنے کے بعد تم اس دنیا میں دوبارہ آسکو گے جس سے تم سابقہ گناہوں کی تلافی کر سکو بس ایک ہی موقعہ ہے اسی سے جو فائدہ اُٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ پھر کوئی موقعہ نہیں دیا جائے گا۔ یہ قانون سخت بھی اسی وجہ سے ہے کہ کوئی اس امید سے غافل نہ ہو جائے۔

دوسری جگہ بھی اسی طرح سے آتا ہے کہ آخرت میں عذاب دیکھ کر انسان کہیگا لَوْ اَنَّ لِیْ کَرَّۃً فَاَکُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (زمر ۵۹) کہ کاش مجھے واپس جانے کا موقعہ ملتا تو میں نیکی کرنے والوں میں سے ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالےٰ اس کا صرف اتنا ہی جواب دیتا ہے کہ تیرے پاس میرے نشان تو آئے تھے لیکن تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر سے کام لیا اور کفر اختیار کیا۔ (زمر۔ ۶۰)

پس سارے قرآن کریم میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ کوئی صورت ایسی بھی ہو سکتی ہے کہ انسان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے۔ بلکہ ہر جگہ یہی فرماتا ہے کہ بس تمہیں یہ زندگی ایک مرتبہ ہی دی جائے گی اس کے بعد

حساب اور جزا سزا کا وقت ہو گا۔ اگر کبھی ایسا ہوتا کہ انسان مرنے کے بعد دنیا میں واپس آجاتا تو وہ واقعات بھی بیان کرتا جو اسے قبر یا حشر میں پیش آئے اور جنت دوزخ کا سب نقشہ بتا دیتا۔ لیکن آج تک دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یہ سب چیزیں پردۂ غیب میں ہی رہی ہیں اور رہینگی۔ اللہ تعالیٰ اس پردہ کو درمیان سے نہیں اُٹھاتا۔ تا انسان کی پیدائش کی غرض پوری ہو اور ایمان بالغیب کے ذریعہ آزمائش کے ثواب سے لوگ محروم نہ ہو جائیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ اگر اس طور سے انسانوں نے واپس آنا ہوتا تو ان کی جائدادوں کو مستقل طور پر ان کے وارثوں میں نہ بانٹا جاتا۔ بلکہ قرآن کریم میں جو کامل کتاب ہے یہ بھی رکھا جاتا کہ کوئی مردہ واپس آجائے تو ورثہ کی یہ صورت ہوگی۔ اور اگر اس کی بیوہ دوسری شادی کر چکی ہو تو اس کی یہ صورت ہوگی۔ اس کے بغیر تو یہ قانون نعوذ باللہ ناقص سمجھا جائے گا۔ سو جس پہلو سے بھی ہم دیکھیں اس میں کسی شبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ خدا تعالےٰ کا ہمیشہ سے یہی قانون ہے کہ مردے اس دنیا میں واپس نہیں آتے۔

ان وجوہات کے علاوہ ایک اور بات بھی غور کے لائق ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کے لیے چار عالم بنائے ہیں۔ پہلے اس کی دنیا ماں کا پیٹ ہوتی ہے۔ وہ ہماری اس دنیا سے بالکل الگ ہے اور کبھی کوئی شخص ماں کے پیٹ کی دنیا سے جب اس دنیا میں آتا ہے اس میں دوبارہ

واپس نہیں جاسکتا۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس کے لیے بند ہو جاتی ہے۔ یہاں آنے کے بعد اس نے یہیں رہنا ہوتا ہے۔ اس کے قویٰ اور نظام جسم میں ایسا فرق آجاتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس وقت اس پہلی دنیا (یعنی ماں کے پیٹ) میں واپس جا سکے۔ وہ بالکل مختلف حالت اور مختلف قویٰ کے لیے تھی۔ وہاں اس کی تمام طاقتوں کا نشو ونما بالکل اور طریق اور راستوں سے تھا۔ اس کو چھوڑتا ہی انسان اس وقت ہے جب وہ اس میں رہ کر گذارہ نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے مطابق اسے یہ دنیا دی جاتی ہے۔ اگر اس کو اپنے وقت سے پہلے اس دنیا میں لایا جائے تب بھی وہ زندہ نہیں رہتا کیونکہ ابھی اسے اس پہلی دنیا کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی میں اس کی نشو ونما ہو سکتی تھی۔

اس دنیا کے بعد اس کے لیے دو عالم اور ہیں۔ ایک عالم برزخ اور دوسرا عالم حشر۔ جب اس کا اس دنیا سے انتقال ہوتا ہے تو وہ عالم برزخ میں جاتا ہے جو دراصل عالم حشر کے لیے ماں کے پیٹ کی دنیا کے مشابہ ہے۔ ماں کے پیٹ میں اس کی پرورش اس دنیا کے لیے کی جاتی ہے۔ کوئی شخص ماں کے پیٹ میں رہنے کے بغیر اس دنیا میں نہیں آسکتا۔ اسی طرح اس کی اُخروی یا روحانی زندگی کا آغاز برزخ سے ہوتا ہے یعنی یہاں سے انسان عالم برزخ میں منتقل ہوتا ہے جسے قبر کا زمانہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر وہاں اسے عالم حشر کے لیے تیار کیا جاتا ہے جو آخری عالم ہے یہ چاروں عالم (یعنی

رحم مادر۔ یہ دنیا۔ عالم برزخ اور عالم حشر، بالکل الگ الگ ہیں اور ان میں رہنے کے لیے انسان کے بالکل الگ الگ قویٰ ہیں۔ اور جب وہ ایک سے دوسرے میں منتقل ہو جاتا ہے تو اس میں خاص تبدیلی آ جانے کی وجہ سے وہ اس پہلے عالم میں واپس نہیں آ سکتا۔ نہ اس عالم سے ماں کے پیٹ میں واپس جا سکتا ہے۔ نہ برزخ سے اس عالم میں واپس آ سکتا ہے اور نہ عالم حشر سے عالم برزخ میں واپس آ سکتا ہے۔ کیونکہ پہلے عالم اپنا کام پورا کر چکے ہوتے ہیں۔ اور اس کو بدلے ہوئے قویٰ کے ساتھ واپس لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ماں کے پیٹ والی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ پیدائش کے بعد وہاں واپسی نہیں ہو سکتی، عالم برزخ میں جب وہ منتقل ہوتا ہے تو اس کا مادی جسم نہیں رہ جاتا ہے اور اس کی روح کو اس دوسری دنیا کے مناسب حال جسم دیا جاتا ہے۔ وہ جسم ہماری اس موجودہ دنیا میں کام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح عالم حشر کا حال ہے کہ وہاں کا جسم عالم برزخ میں کام نہیں دے سکتا۔

پس یہ تصوّر ہی غلط ہے کہ انسان مرنے کے بعد اس دنیا میں واپس آ سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی حکمت کاملہ نے یہی تقاضا فرمایا کہ یہ چار عالم بالکل علیٰحدہ علیٰحدہ رہیں اور ایک کا دوسرے کے ساتھ ایسا تعلق نہ ہو کہ بعد میں آنے والے عالم سے انسان پہلے عالم کی طرف لوٹ سکے۔ یہ بات ایسی واضح ہے کہ انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کس طرح تصوّر کیا جاتا ہے۔

## باب ہشتم

# حدیثوں میں نزولِ عیسیٰؑ کی پیشگوئیوں کی اصل حقیقت

اب جبکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باقی نبیوں کی طرح فوت ہوکر اپنے رب کے پاس جا چکے ہیں اور خدا تعالیٰ کے دائمی قانون کے مطابق وہ دوبارہ دنیا میں واپس نہیں آئیں گے تو ہمیں دیکھنا پڑیگا کہ ان کے نزول کی پیشگوئیوں کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اور جو باتیں ان میں بیان ہوئی ہیں ان سے کیا مراد ہے۔ یہ طریق اختیار کرنا کہ ان احادیث کی صداقت سے کلی طور پر انکار کردیا جائے قطعی غلط ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کو قسم کھا کر بیان فرمایا اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بات واقعہ ہونے والی ہی نہیں ہرگز جائز نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کی حرکت کوئی ایماندار نہیں کرسکتا اور بزرگان امت میں سے کسی نے یہ طریق اختیار نہیں کیا۔ اگرچہ ان کا ایک حصہ وفات مسیح کا قائل رہا ہے تب بھی انہوں نے نزول مسیح کا انکار نہیں کیا بلکہ مسیح کی آمد پر ایمان رکھا ہے اور اس کی اصل حقیقت حوالہ بخدا کی ہے

جس کے یہی معنے ہیں کہ اُن کے نزدیک نزدل مسیح سے یہ مراد نہیں تھی کہ وہی پہلا مسیح دوبارہ آئے۔ اس سے امام مہدی میں حضرت مسیح کا بروزی ظہور مراد ہے اور یہی مذہب برحق ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قرآن مجید سے قطعی طور پر سورہ مائدہ کی آیت کنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم فلما توفیتنی سے ثابت ہے اور دیگر کئی آیات بھی اس کی مؤید ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پیشگوئیاں بالخصوص جب وہ بہت بعد میں آنے والے زمانہ کے متعلق ہوں متشابہات کا حکم رکھتی ہیں جن کی تاویل یعنی اصل حقیقت حوالہ بخدا کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اصل تاویل وہی جانتا ہے اور راسخ فی العلم لوگ ان پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں اور واقعات کے ظہور پر ان کی تاویل کو جان لیتے ہیں اور ان کے بارے میں صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ ان کے بارے میں کجروی کا طریق اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ واقعات سے متشابہات کی تاویل سمجھنے اور انہیں محکمات کے تابع قرار دینے کی بجائے ان محکمات کی تاویل کرتے ہیں اور متشابہات کو اپنے خیالی معنے دینے پر مصر رہتے ہیں۔

**نزول مسیح کی پیشگوئیوں کا تجزیہ** | نزول مسیح کی پیشگوئیوں میں بہت سی باتیں سمجھنے کے قابل ہیں۔ ہم انہیں الگ کر کے لیتے ہیں:-

۱۔ نزول سے کیا مراد ہے۔ کیا اس کے معنے آسمان سے اترنے کے ہوتے ہیں یا مطلق آنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں ہے نَزَلَ القوم و بالقوم وعلی القومِ نُزُولاً و مَنْزِلاً و مَنْزَلاً: حَلَّ یعنی اس قوم میں آیا۔ نَزَلَ زیدٌ نِزَالَۃً: سافر یعنی زید نے سفر کیا۔ المَنْزِل: مکان النزول۔ الدار یعنی ٹھہرنے کی جگہ۔ گھر۔ (اقرب الموارد) نَزَلَ من علوٍ الی اَسْفَل نُزُولاً: انحدر یعنی نیچے کی طرف بہ گیا (اقرب)

پس اگر نزول کے ساتھ اوپر اور نیچے کا ذکر ہو تو اس کے معنے نیچے کی طرف آنے کے ہوتے ہیں۔ ورنہ یہ مطلق آنے یا سفر کر کے کسی جگہ جانے کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ انہی معنوں میں کئی جگہ آیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ
اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ (طلاق ۱۱-۱۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رسول نازل کیا ہے جو تمہارے لیے شرف کا سامان لیکر آیا ہے۔ وہ تمہیں اللہ کی آیات سناتا ہے جو نیکی بدی کو کھولنے والی ہیں تاکہ ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ بجا لانیوالوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال کر لائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کیے جانے کے لیے اکراماً انزل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِکُمْ (توبہ آیت ۱۲۸) یعنی تمہیں میں سے تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ آپ کے لیے انزل کا لفظ استعمال فرمایا اور دوسری جگہ جَآءَ کا۔ ہاں اس لحاظ سے کہ ان کا آنا آسمان سے بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ انبیاء روحانیت کے لحاظ سے زمینی نہیں ہوتے بلکہ آسمانی ہوتے ہیں۔ وہ تو خدائے بلند و برتر کی کنارِ عاطفت میں پرورش پانے والے ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے ان کا اس بلند مقام سے مخلوق کی طرف ان کی رہبری کے لیے آنا یقیناً اتر کر آنا ہی ہوتا ہے۔

ویسے ایک جگہ لوہے کے متعلق بھی خدا تعالیٰ یہی لفظ استعمال کرتا ہے کیونکہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی عنایت سے ہی انسانوں کو میسر آتا ہے اور انسان خود اس کے بنانے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (حدید آیت ۲۶)

یعنی ہم نے لوہا اتارا ہے جس میں سخت جنگ کرنے کے سامان ہیں۔ اور انسانوں کے لیے اور بھی کئی قسم کے منافع ہیں۔

اسی طرح لباس اور چوپائیوں کے متعلق بھی فرماتا ہے:-

يَا بَنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔ (اعراف ۲۷)

یعنی اے آدم کی اولاد ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے اور تمہارے لیے زینت کا باعث ہے۔

لباس بنانے میں جو چیزیں درکار ہوتی ہیں وہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے پیدا فرماتا ہے اس لیے یہ بھی ایک قسم کا اتارنا ہی ہے۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (زمر۔۷) اور اس نے تمہارے لیے چارپائیوں میں سے آٹھ جوڑے اتارے ہیں۔ یعنی بنائے ہیں۔

اس نزول کے معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی حدیث بخاری کے ان الفاظ کے ساتھ کر دیئے ہیں (امامکم منکم یعنی وہ تم میں سے ہی تمہارا امام ہوگا۔ آسمان سے نہیں اُتریگا۔ صحیح مسلم اَمَّکُمْ منکم کے الفاظ بھی حدیث میں وارد ہیں کہ مسیح موعود تمہارا امام تم میں سے ہوگا یعنی امت کے باہر سے نہیں آئے گا۔ لہٰذا ابن مریم کے لفظ سے دھوکا نہیں لگنا چاہیئے یہ نام اس امام کو بوجہ بروز مسیح ہونے کے استعارہ کے طور پر دیا گیا ہے استعارہ کے لیے امامکم منکم اور فامکم منکم کے الفاظ قوی قرینہ ہیں۔

۲۔ یکسر الصلیب۔ اگر اس سے یہ مراد لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جگہ جگہ پھر کر صلیبوں کو گرجاؤں سے اتار کر توڑتے جائیں گے۔ تو یہ

کسی نبی کے متعلق کیسا مضحکہ خیز تخیل ہے اور پھر اس سے حاصل بھی کیا ہوتا ہے۔ اگر دس صلیبیں توڑی جائیں گی تو بیس نئی بنائی جاسکتی ہیں۔ ساری دنیا کی صلیبوں کو توڑنا ایک ناممکن فعل ہے۔ اگر ساری عمر اس میں صرف کردی جائے تب بھی یہ کام ہرگز پورا نہیں ہوسکتا۔ سو یہ ایک ناممکن العمل اور لغو فعل ہے اور اس سے عیسائی مذہب نابود نہیں ہوسکتا اور نہ اسے اس طور سے شکست دی جاسکتی ہے۔

صلیب توڑنے سے دراصل مراد صلیب پرستی سے اس قوم کو نجات دلانا اور عیسائی مذہب کا بطلان ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ عیسائیت ہی اس وقت دنیا پر چھائی ہوئی ہے اور مسلمانوں کی عیسائی حکومتوں کے آگے کوئی حیثیت نہیں رہی۔ اس پانسے کو پلٹنا اور اسلام کو عیسائیت پر غالب کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کو دنیا میں ہر جگہ پوری شان کے ساتھ لہرانا یہ عظیم کام مسیح موعود کا ٹھہرایا گیا ہے اور بفضلہ تعالےٰ اس کو سرانجام دیا جارہا ہے اور عیسائیت کی شوکت گھٹ گئی ہے اور اللہ تعالےٰ نے چاہا تو کچھ عرصہ بعد کامل غلبہ ہوگا۔ لیکن اس کے لیے ابھی بہت کچھ قربانیوں کی ضرورت ہے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کسر صلیب کے معنی ابطال نصرانیت بھی شارح پر خدا تعالےٰ کی طرف سے کھولے گئے۔

(۳) یقتل الخنزیر: آنے والے مسیح کا ایک کام قتل خنزیر بتایا گیا ہے خنزیر کو بد بھی کہتے ہیں اور خنزیر کے لفظی معنے بھی یہی ہیں کہ میں بُری چیز کو

دیکھتا ہوں۔ سو اس سے بھی مراد سؤروں کو مارتے پھرنا نہیں کہ جو ایک نہایت ادنیٰ درجہ کا کام ہے اور سپرد بھی ادنیٰ سمجھی جانے والی اقوام کے ہی کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے مراد بدی اور خنزیر صفت انسانوں کا ہدایت کے ذریعہ قلع قمع کرنا ہے اور پاکبازوں کی ایک جماعت کو قائم کرنا ہے۔ ویسے بھی انگریز قوم کو سؤر کے ساتھ بہت تعلق ہے اور بڑے مزے سے اسے استعمال کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے خنزیر کا لفظ بھی اسی قوم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس پر اسلام کو غلبہ بخشا جاتا ہے۔

(۴) بعض حدیثوں میں کسر صلیب کی بجائے قتل دجال کے الفاظ وارد ہیں اور قتل دجال بھی آنے والے کی علامت قرار دی گئی ہے۔ دجالی فتنہ اس وقت انتہائی زوروں پر ہے یورپ کے عیسائی پادریوں کا فتنہ ہے جو دجل اور فریب سے عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت منوانا چاہتے ہیں نیز یہ فتنہ ان کے سائنسدانوں کا بھی جو کہ مذہب کو غیر مؤثر بنانے اور دنیا کی چمک دمک اجاگر کرنے کے لیے برپا کر رہے ہیں۔ مسیح موعود نے ان کے دجل کا مقابلہ کر کے مذہبی اقتدار کو بالا کرنا تھا۔ سیاسی لحاظ سے یاجوج ماجوج بھی یورپی قوموں کا نام ہے کیونکہ انہوں نے اجیج یعنی آگ کے شعلہ سے سارے کارخانے چلائے اور اسلحہ بنائے۔ سو ایک جہت سے وہ یاجوج ماجوج ہیں اور دوسری جہت سے دجال۔ ان کے قلع قمع کے لیے اس مبارک وجود نے آنا تھا جس کا نام مسیح موعود ہے اور جس کی اس عظمت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس پر سلام بھیجا۔

(۵) یفیض المال حتی لا یقبلہ احد یعنی وہ اتنا مال تقسیم کریگا کہ لوگ اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیں گے۔ اس سے مراد روپے پیسے اور درہم و دینار اور ڈالر یا پاؤنڈ نہیں ہو سکتے۔ ان سکوں کے لینے سے تو کبھی کوئی شخص تھکتا ہی نہیں۔ حسب حدیث نبوی قبر کی مٹی ہی اس حرص کو ختم کرتی ہے۔ جتنا زیادہ کسی دنیا دار کے پاس مال ہوتا ہے اتنا ہی وہ اور زیادہ حریص ہو جاتا ہے اس کی یہ آگ بجھتی نہیں۔ بھڑکتی ہی جاتی ہے۔

درحقیقت اس سے مراد وہ روحانی خزانے اور الٰہی معارف ہیں جو اس خدا کے پیارے نے آکر لٹائے تھے اور لوگوں نے انہیں لیتے لیتے تھک جانا تھا۔ اس وقت کتنے ہیں جو ان موتیوں اور جواہرات سے اپنے دامن بھرتے ہیں جو خدا کے مسیح نے آکر ہر طرف بکھیر دیئے۔ کاش انسانوں کو اطلاع ہوتی کہ کتنے بڑے خزانے ہیں جو آپ کی کتابوں میں موجود ہیں کتنے قیمتی لعل ہیں جو ان میں چمک رہے ہیں۔ یہ خدا تعالےٰ کی خاص عنایت تھی جو مسیح موعود کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دنیا پر کی گئی۔ لیکن افسوس اور صد افسوس کہ بہت تھوڑوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ باقیوں نے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو پورا کیا کہ وہ ان خزائن کے لینے سے انکار کر دیں گے۔

(۶) حضرت عیسےٰ کا دو زرد چادروں میں اُترنا:۔

رویاء میں زرد چادر سے مراد بیماری ہوتی ہے۔یہی یہاں مقصود تھا۔مسیح موعود کو دو بیماریاں لاحق ہونی تھیں۔سو ایسا ہی ہوا۔آپ کو سر درد اور ذیابیطس کی دو بیماریاں ساری عمر رہیں۔اور اس طرح حدیث کے یہ الفاظ پورے ہوئے۔

ان دو بیماریوں کا تذکرہ آپ نے اپنی بہت سی کتابوں میں کیا ہے اور سب دیکھنے والوں نے بھی دیکھا۔آپ کو بعض دفعہ رات بھر میں پانچ پانچ منٹ بعد پیشاب آتا۔اور سر درد کے دورے اتنے شدید پڑتے تھے کہ کئی کئی دن رہتے۔

اگر ظاہری طور پر دو زرد چادریں مراد لی جائیں تو وہ تو شان مسیح موعود کے لحاظ سے بے معنی چیز ہے۔وہ تو کوئی شخص بھی پہن سکتا ہے۔اور اس طرح اس علامت کے کوئی معنے نہیں رہتے۔اس میں کوئی خوبصورتی تو نہیں جس کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا۔

(۷) دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھ کر اُترنا:۔

فرشتوں کو اللہ تعالےٰ نے ایسا نہیں بنایا جو انسانوں کو نظر آئیں۔سوائے کشفی حالت کے۔کفار نے یہ مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا یہ جواب دیتا ہے:۔

وَقَالُوا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا

لَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُوْنَ - (انعام ۹-۱۰)
یعنی کفار کہتے ہیں کہ اس پر (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر) فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا - اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو فیصلہ ہی ہو جاتا اور پھر ان کو ڈھیل نہ دی جاتی اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم اسے فرشتوں میں سے تجویز کرتے تب بھی اسے انسان کی شکل ہی دیتے اور ان کے اوپر پھر بھی یہ بات مشتبہ کر دیتے جیسے وہ اب مشتبہ سمجھ رہے ہیں۔

اسی طرح ایک اور جگہ کفار کے بعض نشان مانگنے کا ذکر فرماتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں اَوْ تَأْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (بنی اسرائیل ۹۳) یعنی تو اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آ - اس کا جواب اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا - (بنی اسرائیل ۹۴) یعنی تو کہہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ انسانی پیدائش کی غرض کو ہی باطل کر دے اور ایمانی امور کو اس طرح واشگاف طور پر ظاہر کر دے اور میں تو ایک انسان رسول ہوں، اور انسانوں کی ہدایت میرے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

پس فرشتوں کا اتارنا یا کسی انسان کو اس طور سے لانا کہ اس نے فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی سنت کے خلاف ہے۔ اس سے پردہ غیب اٹھ جاتا ہے جو اس دنیا میں انسان کے لیے نہیں اٹھایا جاتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا کا مسیح خدا کے فرشتوں کی مدد ساتھ لے کر آئے گا اور انسانوں کی یہ طاقت

نہیں ہو گی کہ وہ اس مدد کو روک سکیں اور اس کے مقاصد میں روک بن سکیں۔ چنانچہ بعض مشکل مواقع پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مدد کا ذکر قرآن کریم میں کرتا ہے ایک جگہ فرماتا ہے:۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ (آل عمران ۱۲۵-۱۲۶)

ترجمہ: اس وقت کو بھی یاد کر جب تو مومنوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہ ہو گی کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے جن کو اس غرض کے لیے آسمان سے اتارا گیا ہو بلکہ اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو گے اور کفار تم پر یک لخت حملہ کریں تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کریگا جو خدا کی طرف سے نشان زدہ ہونگے۔

فرشتوں کا نزول اس طور سے ہوتا ہے کہ وہ مومنوں کے دلوں کو مضبوط کرتے ہیں۔ کفار کے دلوں میں رعب ڈالتے ہیں اور حالات کو مومنوں کیلئے سازگار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو پردہ میں رکھ کر ان سے سارا کام لیتا ہے۔ بظاہر مومن جنگ کر رہے ہوتے ہیں لیکن پس پردہ فرشتوں کے ذریعہ ان کی تائید کی جاتی ہے۔ خدا اپنے نبیوں کی اسی طرح سے مدد فرماتا ہے۔

(۸) اس کے دم سے کافروں کا مرنا: یہ بھی اگر اسی شکل میں ہو تو پھر

آنے والے کے راستے میں کونسی مشکل رہ سکتی ہے۔ ہر مقابل پر آنے والا یا انکار کرنے والا اس کے بسانس سے ہی مرجاتا تو دنیا میں کون ایسا شخص ہوتا جو فوراً ایمان نہ لے آتا۔ کیا یہ بات اس شکل میں ہمارے پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔ آپ تو کفار کے ہاتھوں بے حد تکالیف اُٹھاتے رہے۔ ایسی تکالیف کہ ان کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ تو پھر یہ حضرت مسیح کو کیوں دی جاتی۔ کیا وہ خدا کو زیادہ پیارا ہے۔ ہم تو اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقامِ قرب اور محبت دیا کہ باقی سب آپ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم مسیح کے لیے یہ بات تجویز کر لیں کہ اس کا دم ظاہر میں کافر کُش ہوگا۔

اس سے مراد درحقیقت وہ قوتِ قدسی ہے جو حضرت مسیح موعود کو دی جانی تھی جس کے سامنے کفار نے نہ ٹھہر سکنا تھا۔ یہ قوت قدسی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ دی گئی اور آپ کے طفیل ہی مسیح موعود کو دی جانی تھی۔ کافروں کی کیا مجال کہ وہ اس میں مسیح موعود کا مقابلہ کر سکتے۔ دعاؤں کی نہایت کثرت سے قبولیت۔ آئندہ کے متعلق کثرت سے پیشگوئیاں کرنا۔ دعاؤں سے ہی مریضوں کو تندرست کرنا اور الٰہیات کے سارے عقدے حل کرنا یہ کفار کو کہاں نصیب ہو سکتا تھا۔ سو یہ ایک زبردست خصوصیت تھی جو آپ کو دی جانی تھی۔

(۹) عیسیٰ کا طواف کعبہ کرتے ہوئے دیکھنا اور ساتھ ہی دجال کو بھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات رویاء میں دیکھی۔ کعبہ سے مراد مقصد ہوتا ہے جس کے گرد انسان چکر لگاتا ہے۔ مسیح اپنے مقصد کے گرد چکر لگائیں گے اور یہ مقصد غلبہ اسلام ہوگا اور دجال اپنے مقصد کے گرد چکر لگائیگا جو اسلام کی بیخکنی ہوگا۔ لیکن خدا کا مسیح فرشتوں کی مدد سے کامیاب ہوگا اور دجال ناکام۔

(۱۰) آنے والے مسیح کا رنگ گندمی ہوگا اور بال سیدھے اور لمبے۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم کا رنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُرخ بتایا ہے اور بال گھنگرالے، جیسا کہ باب دوم میں حدیث آچکی ہے اور آنے والے مسیح کا رنگ گندمی اور بال سیدھے اور لمبے بتائے یہ علامت صاف طور پر بتا رہی ہے کہ آنے والا مسیح پہلے گذرے ہوئے مسیح سے مختلف ہوگا۔ چنانچہ خدا کی طرف سے جو مسیح آیا یعنی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام ان کا رنگ گندمی اور بال سیدھے اور لمبے تھے جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے کیسی بجنبہ علامت آپ کی سچائی کی ہے اور اس بات کی سچائی کی بھی کہ پہلا مسیح جو سرخ رنگ اور گھنگرالے بالوں والا تھا وہ اصالتاً دوبارہ آنے والا نہ تھا۔

(۱۱) حضرت مسیح موعودؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن ہونا اور آپ کے ساتھ ہی اٹھایا جانا:۔

یہ بھی سوائے استعارہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ نعوذ باللہ من ذالک کیا یہ جائز یا ممکن ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو اکھیڑ کر حضرت عیسیٰ کو اس میں دفن کیا جائے ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ ایک مومن کے تو اس پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیا ایسے مقدس مقام کی یہ ہتک گوارا ہو سکتی ہے۔ پس یہ الفاظ بھی استعارہ کے طور پر ہیں اور اس سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسیح موعود کا اپنے ساتھ اتصال روحانی اور اس کو اپنا کامل بروز اور ظل بیان کرنا مقصود تھا۔

علامہ ابن سیرین لکھتے ہیں کہ جس نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور خواب میں کوئی ناگوار بات پیش نہیں آئی تو یہ اس کے لیے نیکی کی خوشخبری ہے اور اس سے نیک اعمال سرزد ہوں گے۔ (تعبیر الرؤیا ءصفحہ ۱۹۷،۱۸) جب محض حضورؐ کی زیارت اس درجہ خوشخبری ہے تو حضور کے ساتھ اسی قبر میں دفن ہونا اور پھر آپ کے ساتھ ایک ہی قبر میں سے اٹھائے جانا عالم برزخ میں انتہائی یگانگت اور محبت پر دلالت کرتی ہے۔ گویا دو قالب یک جان ہو گئے۔ یہ کامل اتحاد کی روح پرور خوشخبری ہے جو خدا کے مسیح کے سوا اور کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ اسی لیے آپ کے منہ سے خدا نے یہ نکلوایا مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی مَاعَرَفَنِیْ وَمَارَاٰی (خطبہ الہامیہ) یعنی جس نے میرے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تفریق کی اس نے

نہ مجھے پہچانا اور نہ دیکھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مسیح موعود کو اسم جامع محمدی کی شرح اور اسی کا نسخہ (COPY) قرار دیتے ہیں۔ (الخیر الکثیر)

(۱۲) "وہ اپنے ساتھیوں کو طور پر لے جائے گا"۔ یعنی انہیں روحانی طور پر رفعت کے مقام پر لے جائے گا جس سے وہ دجالی فتنہ سے محفوظ ہو جائیں گے اور شیطانی حملوں سے بچائے جائیں گے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

(۱۳) "وہ انہیں جنت کے درجے بتائے گا"۔ یعنی وہ ان سے دین کے لیے قربانیاں لے گا اور جو جس قدر قربانی ادا کرے گا۔ جانی اور مالی اور آرام اور عزت کی۔ اتنا ہی وہ خدا کے نزدیک درجہ پائے گا۔ اس طرح سے ان کی قربانیوں کے مطابق ان کا جنت میں مقام متعین ہو جائے گا۔ یہ مسیح موعود کے قائم کردہ نظام خدمتِ اسلام کی وجہ سے ہو گا۔ گویا دین میں ان کے درجے بتائے گا۔ اور بعض کو اعلیٰ قربانیوں اور تقوےٰ کی وجہ سے خاص طور پر بہشتی مقبرہ میں داخل کر کے ان کے مقام کا انہیں پتہ دے دیا جائے گا۔

(۱۴) "اس کی دعا سے عذاب کا آنا"۔ یعنی اس کی تائید میں عذابوں کا کثرت سے آنا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے کے بعد آپ کی پیشگوئیوں کے مطابق دو جنگیں عظیم اور عالمگیر بھی ہیں جن کی مثال پہلے موجود نہیں۔ شدید زلزلے بھی آئے جیسا کہ کانگڑہ، کوئٹہ اور جاپان

کے زلزلے جن کے نتیجے میں بے انداز تباہی ہوئی۔ طاعون آئی جس نے بے شمار جانیں تلف کیں اور اسی قسم کے اور عذاب آئے۔ اسی سال ۱۹۷۳ء میں یہاں سیلاب کا عذاب آیا جو وہ بھی طوفانِ نوح کی کیفیت رکھتا تھا۔ یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیے دعاؤں کے نتیجہ میں تھا۔ خدا اپنے نشان اس طور سے بھی دکھاتا رہا۔ مگر دیکھنے کے لیے آنکھوں کی ضرورت ہے۔

(۱۵) عیسےٰ ابن مریم۔ اب آخری طور پر یہ بات دیکھنے والی ہے کہ آنے والے کا نام عیسےٰ ابن مریم کیوں رکھا گیا۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ یہ تو بہر حال ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور وہ دوبارہ اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے جب یہ صورت ہے تو آنے والے کا نام عیسیٰ ابن مریم کیوں بتایا گیا۔

سو جاننا چاہیئے کہ کسی شخص جیسی صفات رکھنے والے کو بھی بعض دفعہ وہ نام مشابہت کی وجہ سے دے دیا جاتا ہے پس اس سے مراد یہی تھی کہ آنے والا مسیح ابن مریم کے رنگ میں آئے گا۔ دونوں میں جمالی پہلو غالب ہو گا۔ دونوں کا آنا ایک جیسے وقفہ کے بعد اور ایک جیسے حالات میں ہو گا۔ دونوں اپنی خو بو میں ایک جیسے ہوں گے۔ دونوں خاتم الخلفاء ہو نگے۔ ایک موسوی سلسلہ کا اور دوسرا محمدی سلسلہ کا۔ غرضیکہ دونوں میں بہت سی مشابہتیں ہوں گی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ پہلے بھی ہو چکا ہے کہ آنے والے کو وہی

نام دیا گیا جو اس سے پہلے نبی کا تھا جس کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی تھی
ایلیاہ (جس کا نام قرآن کریم میں الیاس ہے اور توراۃ میں ایلیا) کے متعلق
پیشگوئی تھی کہ وہ دوبارہ آئیں گے تو ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کا آنا ہوگا۔
(ملا کی باب ۴-۱ آیت ۱۵) لیکن ایلیا اصالتاً دوبارہ نہ آیا اور حضرت مسیح
آ گئے تو ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ سے پہلے جس نے آنا
تھا وہ نہیں آیا اور آپ سچا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انہوں نے
جواب دیا کہ ایلیا کی جگہ اس کی خو بو پر یوحنا (جن کو قرآن کریم میں یحییٰ
کہا گیا ہے۔) آ گیا ہے اور اس طرح وہ پیشگوئی پوری ہو گئی ہے (متی باب ۱۱
آیت ۱۳، ۱۴) یہودیوں نے بہتیرا اعتراض کیا کہ اس طرح کیسے ہو سکتا
ہے۔ وہی شخص آنا چاہیئے تھا جس کے متعلق پیشگوئی تھی لیکن ان کی ایک
نہ سنی گئی اور اس بنا پر مسیح کا انکار کرنے والے خدا کی گرفت میں آ گئے
اور مغضوب علیہم بن گئے۔ حالانکہ دیکھنے میں ان کا اعتراض وزنی
معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اب تو اس بارہ میں ٹھوکر کھانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ اعتراض
تو پہلے خدا تعالیٰ کی طرف سے مسترد ہو چکا ہے کہ وہی شخص دوبارہ کیوں نہیں
آیا اور اس کی جگہ دوسرا آ گیا اور اس کو وہی نام دیدیا گیا۔ یہود کے لیے تو
اس میں ٹھوکر کی گنجائش ضرور تھی لیکن ہمارے لیے تو کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے
جن کے سامنے ایک مثال موجود ہے پس غور اور فکر سے کام لیں اور ٹھوکر سے
بچیں اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگیں تا وہ رہنمائی فرمائے۔

## باب نہم

# پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعودؑ کا آنا ختم نبوّت کے منافی نہیں

یہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے کہ مسیح کے بارہ میں دو گروہ ہیں۔ ایک وہ ہے جو انہیں آسمان پر اس جسم کے ساتھ زندہ سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں دجال کے قتل کرنے اور کسر صلیب اور باقی کاموں کے لیے آئیں گے جو حدیثوں میں بیان شدہ ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو انہیں وفات یافتہ سمجھتا ہے لیکن نزول عیسیٰ کا وہ بھی قائل ہے اور اس طرح سے ایک مسیح کے آنے پر دونوں متفق ہیں۔

پہلے گروہ نے ختم نبوت کے پیش نظر مسیح نبی اللہ کی دوبارہ آمد پر اسے امتی اور قرآن کریم کا تابع بھی بتایا گویا ان کے نزدیک بھی اگر کوئی نبی امتی بنکر اور قرآن کریم کی اطاعت کا جوا اُٹھا کر آئے تو یہ ختم نبوت کے منافی نہیں۔ مگر ایک مستقل طور پر نبوت حاصل کرنیوالے

کے لیے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری میں نبوت حاصل نہیں کی بلکہ براہِ راست اسے ملی اور جس کی شریعت بھی تورات اور انجیل تھی یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل امتی کہلائے اور مستقلہ نبوت سے معزول ہو کر قرآنِ کریم کو اپنے لیے شریعت بنا لے۔ اس پر انہوں نے نہ غور کیا، نہ قرآن سے اس کا جواز تلاش کیا۔ نہ اس کی کوئی مثال پیش کر سکے اگر وہ نبی رہتا ہوا امتی نبی بن جاتا ہے تو بہر حال ایک نئی قسم کے نبی کا آنا تو مان لیا۔ لیکن یہ تضاد دور نہ ہوا۔ کہ امتی تو وہ ہوتا ہے جسے سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نتیجہ میں ملتا ہے اس کا آغاز اور اس کا انتہا سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ میں یہ صورت متحقق نہیں ہو سکتی۔ پس آنے والے نے نبی تو ضرور ہونا تھا، کیونکہ حدیث میں بار بار اس کے لیے نبی کا لفظ آیا ہے اور قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ کوئی نبی ایسا بھی ہوتا ہے جس سے نبوت واپس لے لی جائے۔ اور مسیح علیہ السلام کے متعلق تو قرآن کریم میں خاص طور پر آتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ خدا نے مجھے نبی بنایا ہے اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں (مریم۔ آیت ۳۱-۳۲) اور دوسرے بزرگان نے بھی تسلیم کیا ہے کہ وہ دوبارہ آنے پر نبی ہونگے۔ مثلاً نواب صدیق حسن

خاں صاحب فرماتے ہیں :-

من قال بسلب نبوته فقد کفر حقاً کما صرح
به السیوطی فانه نبی لا یذهب عنه وصف
النبوة فی حیاته ولا بعد وفاته

(حجج الکرامہ ص ۴۳۱)

یعنی جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت مسیح دوبارہ نزول کے وقت نبوت سے علیحدہ ہو کر آئیں گے تو اس نے یقیناً کفر کیا جس طرح امام سیوطی نے بھی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ بہر حال وہ نبی ہیں اور ان سے نبوت کا وصف زندگی میں الگ نہیں ہوگا اور نہ وفات کے بعد۔

حدیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نزول کے بعد ان کو چار دفعہ نبی اللہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ (مسلم باب خروج الدجال)

پس اگر اس کو واپس لانا ہے تو وہ اپنی الگ حیثیت میں نبی ہوگا۔ امتی کا لفظ اس پر چسپاں نہ ہو سکے گا۔ اگر اسے زبردستی امتی کہہ بھی دیا جائے تب بھی وہ نبی ضرور رہے گا۔ اس کی شریعت کے بارہ میں بھی یہی مشکل پیش آئے گی۔ وہ تو ایک شریعت کا حامل ہو چکا یا اسے اختیار کر چکا۔ اسے اس سے الگ کر کے نئی شریعت کا جؤا اس سے کس طرح اٹھوایا جائے۔ کیا وہ اپنے ہاتھ سے پہلی شریعت پر خطِ تنسیخ کھینچ دے اور اس کی پیروی سے الگ ہو جائے اور دوبارہ

آتے ہی پہلا کام یہ کرے کہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرے اور اس کے احکام سے آگاہ ہو۔ یا آسمان پر ہی اسے قرآن سکھلا دیا جائے گا عجیب عجیب نظریات قائم کرنے پڑیں گے جن کی پہلے کوئی مثال نہیں اور نہ قرآن کریم سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

ان تمام مشکلات کے ساتھ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم پکار پکار کر مسیح کو وفات یافتہ قرار دے رہا ہے۔ حدیث اس کی تائید کر رہی ہے اور علماء کا ایک بھاری اور محقق گروہ اس بات کی تصدیق کر رہا ہے کہ مسیح واقعی فوت ہو گیا ہے تو پھر تو یہ سوال ہی نہیں رہتا کہ اسی مسیح کو امتی بنا دیا جائے اور اس کی شریعت کو بدل دیا جائے۔ اس صورت میں تو کوئی دوسرا شخص ہی آنا چاہیئے جو امتی بھی ہو اور نبی بھی ہو اور نئی شریعت بھی کوئی نہ لائے بلکہ قرآن کریم کا تابع ہو۔ اسی لیے امام بخاری نے امامکم منکم کی حدیث کو بیان کیا۔ یعنی وہ امت میں سے ہی ایک شخص ہو گا جس کے سپرد اس امت کی امامت کی جائے گی۔ بعض علماء نے یہاں تک کہہ دیا کہ مسیح کا آنا بروزی رنگ میں ہو گا اور وہ خود نہیں آئے گا۔ لیکن بہرحال اسی امت میں سے ایک شخص اس کا بروز ہو گا۔ وہ نبی کا لقب پائے گا۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو نبی اللہ قرار دیا ہے۔

وفات مسیح کے قائل علما نے نزول مسیح کا عقیدہ ساتھ رکھ کر یہ بتا دیا کہ پہلا مسیح آسمان سے نہیں آئے گا بلکہ آنے والا اس امت میں

پیدا ہوگا۔ وہ پہلے مسیح کا ہم منصب ہوگا لیکن بموجب حدیث اس کے لیے ضروری ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کی طرح مقام نبوت مطلقہ اسے حاصل ہوگا۔ تا وہ پیشگوئیاں پوری ہوں جن میں اس کو بار بار نبی کہا گیا ہے۔ اور تا وہ اس بلند مقام سے وہ عظیم کام کر سکے جن کا قرآن کریم اور ان حدیثوں میں ذکر ہے اور اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ وہ کام اس سے کمتر درجہ کے لوگوں کے کرنے کے نہیں تھے۔ ان کے لیے خدا کا مسیح ہی چاہیئے تھا جسے اپنے مطاع و آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کامل یگانگت اور انتہائی محبت کا تعلق ہوتا گویا آپ کے ساتھ ہی دفن ہوگا اور آپ کے ساتھ ہی اٹھایا جائے گا۔

اس دوسرے گروہ کے بعض علماء نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبوت تو بیشک بند ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی آخری شریعت قرآن کریم کا نزول ہو چکا جس نے ہر قوم اور ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے اور کسی نئی شریعت کی اس کے بعد ضرورت پیدا نہیں ہو گی۔ لیکن غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بند نہیں جبکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپ کی محبت میں حاصل ہو اور آپ کے کام کی تکمیل ہی اس کا مقصد ہو اور اس امت کی اندرونی اور بیرونی مدافعت اس کی غرض ہو۔ مرور زمانہ سے مسلمانوں میں فساد پیدا ہونا ضروری تھا جیسا کہ اس مخبر صادق ؐ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ ان کی حالت یہودیوں جیسی ہو جائیگی

اور یہ بھی اسی طرح چھلکے پر قانع ہو جائیں گے جس طرح یہود ہیں اور مغز سے بالکل خالی ہوں گے علاوہ اس کے وہ ہر طرف سے وبال کے زغہ میں پھنس جائیں گے اور کوئی صورت مخلصی کی نظر نہ آئے گی۔ تب مسیح موعود کا ان کی مدد اور اصلاح اور ان کی مدافعت کے لیے آنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عین منشا کے مطابق ہوگا اور کسی طور سے بھی ختم نبوت میں رخنہ انداز نہ ہوگا بلکہ حضور کی نبوت کو نکھار کر دنیا کے سامنے پیش کرنے والا ہوگا جس سے ساری دنیا آپکے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائے۔ اسی کا کام "قتل دجال، کسر صلیب اور قتل خنزیر" حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے اور اسی کو قرآن میں لیظھرہٗ علی الدین کلہ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

جن علماء نے یہ بیان کیا کہ غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بند نہیں ان میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی۔ فقہ حنفیہ کے امام و محدث حضرت ملّا علی القاری۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند۔ نواب نور الحسن خاں ابن نواب صدیق حسن خاں۔ حضرت عبدالکریم جیلانی۔ مولانا جلال الدین رومی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ حضرت مجدد الف ثانی۔ مولانا عبدالحی لکھنوی اور علامہ صوفی محمد حسین صاحب ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مذہب ثابت ہوتا ہے۔ اس حصہ کو اگلے باب میں بیان کیا جاتا ہے۔

## باب دہم

# اُمّتِ محمّدیہ میں غیر تشریعی نبوّت کا دروازہ بند نہیں

قرآن کریم کی ایک ہی آیت ہے جس سے آئندہ کے لیے ہر قسم کی نبوت کے ختم ہو جانے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا استثنےٰ بہر حال کر لیا جاتا ہے۔ وہ آیت ہے

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (احزاب ۴۰)

اس میں خاتم النبیین سے مراد عام طور پر نبیوں کو ختم کرنے والا یا آخری نبی لیے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے صحیح معنے معلوم کرنے کے لیے ہمیں لغت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور پھر دیکھنا ہو گا کہ علماء میں سے بھی کسی نے ان معنوں کی تصدیق کی ہے یا نہیں۔

خَتَمَہ خَتْمًا وخِتَامًا کے معنے ہیں طَبَعَہ، وضع علیہ الخاتم یعنی اس پر مہر لگا دی۔ خَتَمَ الکتاب کے معنے ہیں بَلَغَ اٰخِرَہٗ

یعنی اس کے آخر کو پہنچ گیا۔ الخاتِم والخاتَم کے معنے ہیں الخاتام یعنی انگوٹھی خواہ اس پر پہننے والے کا نام لکھا ہو یا نہ لکھا ہو۔ نیز اس کے معنے ہیں آخر القوم یعنی قوم کے آخر میں آنے والا (اقرب الموارد)

الخَتْم والطبع یقال علیٰ وجھین مصدر خَتَمْتُ وَ طَبَعْتُ وھو تاثیر الشیٔ کنَقْش الخاتم والطابع والثانی الاَثَرُ الحاصل عن النَقْش ویتجوّز بذالک تارۃً فی الاستیثاق من الشیٔ والمَنْع منه ......

(مفردات راغب)

یعنی خَتْم اور طَبْع دو طرح سے استعمال ہوتا ہے ایک تو یہ خَتَمْتُ اور طَبَعْتُ کا مصدر ہے جس کے معنے ہیں ایک چیز کا دوسری چیز میں اثر پیدا کرنا جس طرح مہر کا نقش آگے نقش پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے دوسرے معنی ہیں اس نقش سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے (یعنی دوسری چیز پر وہی نقش آجاتا ہے) اور اس آجانے والے نقش سے بعض دفعہ تصدیق مراد ہوتی ہے جس طرح عام طور پر مہر لگا کر تصدیق مطلوب ہوتی ہے کہ واقعی یہ اسی کی تحریر ہے جس کی مہر لگی ہے اور بعض دفعہ مجازی معنوں کے لحاظ سے اس سے بند کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔
یہ جو بند کرنے کا مفہوم لیا ہے یہ ختم کے مصدری معنیٰ نہیں ہوتے بلکہ مجازی معنی مراد ہوتے ہیں۔ جس پر آگے مفردات راغب کے الفاظ یتجوزبذالک تارۃ فی المنع والاستیثاق من الشی دال ہیں۔

کہ اصل معنوں نے مجاز اختیار کر کے یعنی مجازی معنی لیکر کبھی اس سے مراد بندش کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

پس لغت کے رو سے خاتِم اور خاتَم کے پہلے معنے مہر کے ہیں جس کا نقش دوسری چیز پر اتارا جاتا ہے۔ نیز تصدیق اور اِستناد کے ہیں اور ایک معنی قوم کے آخر میں آنے والے بھی ہیں جو مجازی معنے ہیں۔ امام راغب کے نزدیک ختم کے اصل معنے ایک چیز کا دوسری چیز میں اثر پیدا کرنا ہے جس طرح مہر پر جو کچھ لکھا ہوا سے کاغذ یا کسی اور چیز پر لگا کر اس کا اثر یا نقش پیدا کر دینا۔ پھر اس پیدا شدہ نقش کے اثر کو بھی بطور حاصل مصدر ختم کہتے ہیں۔ جس سے مراد تصدیق ہوتی ہے۔ بند کرنے کے معنوں میں مجازی استعمال ہے۔ جس کو امام راغبؒ نے تجوز کا لفظ کہہ کر بتایا ہے۔ اصل معنے ظرف تاثیر الشئی کے ہیں یعنی ایک چیز کا دوسری چیز میں اثر پیدا کرنا۔ اسی طرح امام راغب کے قول کے مطابق بلوغ الاخر یعنی آخر کو پہنچنا بھی مجازی معنی ہیں جیسے ختمت القرآن کے معنی ہیں تلاوت میں اس کے آخر کو پہنچ گیا۔

لفظ خاتَم ختم سے آلہ ہے یعنی تاثیر کا آلہ یا ذریعہ۔ اور خاتِم اسم فاعل ہے یعنی تاثیر کرنے والا۔ ویسے نتیجہ کے لحاظ سے مطلب دونوں کا ایک ہی بن جاتا ہے اور یہ ہم معنے ہو جاتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند تاثیر کے معنوں کی ہی تصدیق کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں :-

"عوام کے خیال میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنے ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے" (تحذیر الناس ص۲)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے مگر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ اس طرح آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہو جاتا ہے۔ غرض جیسے آپ نبی اللہ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی"۔ (تحذیر الناس ص۳ و ۴)

"جیسے خاتم بفتح التاء کا اثر مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوگا۔ حاصل مطلب آیت کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوّت معروفہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں۔ پھر ابوّت معنوی امتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی۔ انبیاء کی نسبت تو فقط آیت خاتم النبیین شاہد ہے"۔ (تحذیر الناس ص۱۰)

"اس صورت میں انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائیگی بلکہ بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"۔ (تحذیر الناس ص۲۸)

مولانا محمد قاسم نے بات کو بہت واضح کر دیا ہے۔ ایک تو آپ نے یہ فرمایا کہ آپ کو آخری نبی یعنی مطلق آخری نبی کہنا تو کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ بلکہ اصل فضیلت آپؐ کی یہ ہے کہ آپ میں وصف نبوت بالذات ہے یعنی آپ نبوت میں موثر وجود ہیں اور باقی نبیوں میں نبوت بالفرض۔ یعنی آپ کے مؤثر ہونے کی نتیجہ ہے۔ یعنی آپ کی نبوت کے فیض سے ہی باقی نبیوں کی نبوت ہے اور سیاق آیت کے لحاظ سے ان معنوں میں آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ نہ صرف امتیوں کے باپ ہیں بلکہ نبیوں کے بھی باپ ہیں گویا آپ ہی کا فیض جاری ہے اور کسی کا نہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپؐ صرف ان نبیوں پر ہی فضیلت نہیں رکھتے جو گذر چکے ہیں بلکہ ان پر بھی رکھتے ہیں جو مقدر ہیں یعنی ابھی نہیں آئے۔ لہذا بالفرض آپؐ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو بھی آپ کے خاتم النبیین ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہ ہیں خاتم النبیین کے اصل معنے۔ اس کا نام مولانا نے خاتمیت مرتبی رکھا ہے۔ یعنی درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک پر نبوت کمال کو پہنچی۔ خاتمیت زمانی کو آپ وجہ فضیلت قرار نہیں دیتے۔ لیکن اسے اس شرط کے ساتھ بدلالت التزامی یعنی بطور لازم المعنی کے تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شارع نبی ہیں اب آپ کے بعد کوئی شریعت والا نبی نہیں آ سکتا۔

اس آیت کے علاوہ قرآن کریم میں اور کوئی آیت نہیں جس سے خاتمیت زمانی کا استدلال کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ آیت ان معنی سے کوئی جوڑ نہیں رکھتی کیونکہ مضمون ابوت معنوی کا بیان ہو رہا ہے نہ نبوت کی بندش کا۔ اس کے علاوہ اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جن میں انبیاء کے آنے کے لیے زمانہ کی کوئی قید نہیں لگائی گئی اور یہ نہیں کہا گیا کہ صرف پہلے ایسا تھا اور آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی ضرورت پیدا ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں نبی آسکتا ہے۔ ہاں ایک قید کو قرآن کریم میں واضح کر دیا گیا ہے اور وہ ہے قرآن کریم کے آخری شریعت ہونے کی جیسا کہ وہ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ (مائدہ آیت ۱۰۱) یعنی آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ اس آیت سے واضح ہے کہ دین اسلام یعنی شریعت اسلامی ہر لحاظ سے مکمل ہو گئی۔ اب اس میں قیامت تک کوئی کمی بیشی نہیں ہو گی۔ کیونکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہر قسم کی روحانی ضرورتیں اس سے پوری کر دی گئیں۔ اب اس میں نہ کسی حکم کے اضافہ کی ضرورت ہے اور نہ کمی کی۔

پس اس قید کے پیش نظر آئندہ کوئی تشریعی نبی نہیں آسکتا یعنی ایسا نبی جو نئی شریعت لائے۔ لیکن غیر تشریعی یعنی امتی نبی کے آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں جیسا کہ حسب ذیل آیات بتا رہی ہیں۔

(۱) مَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا ط ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا - (نساء آیت ۷۰)

ترجمہ: جو اللہ کی اور اس رسول کی (یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی) اطاعت کرے گا، وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی نبیوں - صدیقوں - شہیدوں اور صالحین میں سے - اور یہ لوگ بہت ہی اچھے رفیق ہیں - یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے -

اس آیت میں مع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو مِنْ اور فِی کے معنوں میں بھی آتا ہے - امام راغب لکھتے ہیں - فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ اى اجعلنا فى زمرتهم اشارة الى قوله فَاُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ - (مفردات زیر لفظ كَتَبَ) یعنی فاكتبنا مع الشهدين کے معنے ہیں ہمیں شاہدین کے زمرہ میں شامل کر دے اور اس سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے فاولئك مع الذين انعم الله عَلَيهِم من النبيين والصّديقين والشهدآء والصالحين -

امام صاحب کیسا واضح طور پر بتاتے ہیں کہ یہاں مَع کے معنے ان کے زمرہ میں شامل ہونا ہے - یعنی جو کچھ وہ ہیں وہی بن جانا -

لفظ مَعَ کے نیچے امام راغب لکھتے ہیں مع یقتضی الاجتماع اِمّا فی المکان ..... او فی الزمان .... او فی المعنی .... و اما فی اشرف والرتبۃ (مفردات راغب) یعنی مَعَ کا لفظ چار قسم کے ملانے کا تقاضا کرتا ہے اوّل مکان میں دوّم زمانہ میں سوّم معنوی معیت کے معنوں میں جیسے مُتَضَایِفَین یعنی باپ بیٹے کی معیت اس طرح کہ ایک کا جاننا دوسرے کے جاننے پر موقوف ہے۔ اور پھر شرف اور مرتبہ میں معیت۔ مراد یہ ہوئی کہ مع کے معنی شرف اور مرتبہ میں شامل ہونے کے بھی ہیں۔ اگر ہم سباق آیت کے لحاظ سے بھی دیکھیں تو اس جگہ مع چوتھے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی ایسے اطاعت کرنے والوں کو ان میں سے (نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین میں سے) کوئی ایک شرف یا رتبہ دیا جائے گا۔ اپنی اپنی اطاعت کے مطابق۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ نبی کے علاوہ باقی رتبے ذاتی ہیں اور نبی کا رتبہ قومی ہے جو قومی ضرورت کے تحت کسی انسان کو دیا جاتا ہے۔ بہر حال اس آیت میں ان چاروں مراتب کا دیا جانا جائز رکھا۔ اگر یہ نہ سمجھا جائے تو پھر ساری اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کے باوجود انسان کو صالحین کا رتبہ بھی نہ مل سکے گا حالانکہ یہ تو اطاعت کا کم سے کم ثمرہ ہے پس یہ آیت واضح طور پر بتاتی ہے کہ اس امت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور کامل پیروی کے ساتھ یہ چاروں درجات اور شرف وابستہ کیے ہیں۔

اور ان سب کے لیے راستہ یقیناً کھلا ہے ورنہ یہ شرف نہیں کہلائے گا بلکہ اس کے برعکس معاملہ ہوگا۔

قرآن کریم میں اور بھی کئی مقامات پر مَعَ بمعنی مِنْ استعمال ہُوا ہے۔ مثال کے طور پر توفنا مع الابرار (آل عمران آیت ۱۹۲) یعنی تو ہمیں نیکوکاروں کے زمرہ میں شامل کر کے وفات دے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (نساء ۱۴۶-۱۴۷)

یعنی منافق لوگ آگ کے نچلے حصّہ میں ہونگے اور تو ہرگز کسی کو اُن کا مددگار نہ پائے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور انہوں نے اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ مومنوں کے زمرہ میں شامل ہونگے اور اللہ تعالیٰ عنقریب مومنوں کو بڑا اجر دے گا۔ اس آیت کے یہ معنی لیے جائیں کہ توبہ اور اخلاص اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کے بعد بھی کوئی شخص مومن نہیں ہوتا بلکہ اسے صرف مومنوں کی ظاہری معیت ہی حاصل ہوتی ہے تو پھر مومن بننے کے لیے اور کیا شرائط ہو سکتی ہیں جنہیں وہ پورا کرے پس یہاں معیت فی الدرجہ کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔

(۲) سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ نے صراط الذین انعمت علیہم

کی دعا سکھائی ہے وہ بھی اسی منعم علیہم گروہ کی طرف اشارہ ہے جس کا اوپر کی آیت میں ذکر آچکا ہے یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالح۔ ان کے راستے پر چلانے کے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ ہم اس راستے پر تو چلیں لیکن ان چار میں سے کچھ بھی نہ بنیں۔ ان کے راستے پر چلنے سے ان کے درجات مل سکتے ہیں تو ہم صالح بھی تبھی بن سکتے ہیں ورنہ صالح مومن بھی نہیں بن سکتے یعنی وہ مومن بھی نہیں بن سکتے جسے نیک کہا جا سکتا ہے۔ یہی صورت باقی تین مراتب کی ہوئی۔ یعنی ان کا ملنا بھی جائز ٹھہرا بشرطیکہ خدا کی نگاہ میں انسان اس کے قابل سمجھا جائے۔ بہر حال اس آیت سے بھی ان چاروں مدارج کے حصول کا راستہ کھلا نظر آتا ہے ورنہ یہ دعا نہ سکھائی جاتی، جسے ہم ایک دن کی نمازوں میں ہی اتنی مرتبہ پڑھتے ہیں۔ اگر ان کے راستے پر چل کر ان کے درجات یا مراتب مل ہی نہ سکتے تھے تو یہ دعا بے معنی ہو جاتی ہے۔

(۳) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

(اعراف آیت ۳۶) اے آدم کے بیٹو اگر تمہارے پاس تم میں سے کوئی رسول آئیں جو تمہیں میری آیات پڑھ کر سنائیں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اور اصلاح کرلیگا ان پر کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور نہ وہ گذشتہ کسی بات پر غم کریں گے۔

بنی آدم میں مسلمان بھی ہیں۔ بلکہ اس سے چند آیتیں پہلے بنی آدم

کہہ کر مسلمانوں کو ہی مخاطب فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ○ (اعراف آیت ۳۲) یعنی اے بنی آدم (یا مسلمانو) مسجد جاتے وقت زینت (ظاہری صفائی وغیرہ) اختیار کر لیا کرو اور کھاؤ اور پیو لیکن اسراف سے کام نہ لو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اسراف کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سب احکام جو اس آیت میں دیئے گئے ہیں مسلمانوں کو دیئے گئے ہیں اور یا بنی آدم کہہ کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ میں مسلمانوں کو بھی مخاطب فرمایا۔ اوروں کو بھی بیشک اس میں شامل کریں لیکن مسلمان بھی یقیناً شامل ہیں اور انہیں بھی متنبہ کیا ہے کہ کسی مامور کے آنے کے وقت تقویٰ اختیار کریں اور اصلاح کریں کہ انہی کاموں کے لیے مامور کو بھیجا جاتا ہے اور تبھی وہ امن کی حالت میں آسکیں گے اور غم و حزن سے نجات پا سکینگے ورنہ قسم قسم کی بدامنیوں میں گھرے رہیں گے۔

(۴) اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ○ (حج آیت ۷۶) یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو چنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی سنت بتائی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتا ہے۔ اس میں کسی زمانہ کی بندش کا اظہار نہیں بلکہ سنت مستمرہ بتائی گئی ہے۔

(۵) وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آل عمران آیت ۵۲) اور جب اللہ تعالےٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پس اگر کوئی رسول ایسا آئے جو تمہاری تعلیم کا مصدق ہو تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ۔ خدا نے پوچھا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے ذمہ داری قبول کرتے ہو ۔ انہوں نے کہا ہاں ۔ فرمایا تم گواہ رہو اور میں بھی گواہ ہوں ۔

یہ عہد ہر نبی کے ذریعہ اس کے ماننے والوں سے لیا گیا کہ وہ آئندہ آنے والے رسول پر بھی ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں اور اس کے مقابلہ پر کھڑے ہو کر اپنے پہلے ایمان کو بھی ضائع نہ کر بیٹھیں ۔ ایک جگہ آتا ہے کہ اس قسم کا عہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی لیا گیا ۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○ لِيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (احزاب آیت ۸ و ۹)

ترجمہ: اور یاد کرو جب کہ ہم نے نبیوں سے ان پر عاید کردہ ایک خاص بات کا وعدہ لیا تھا اور تجھ سے بھی وعدہ لیا تھا اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی پختہ عہد لیا تھا۔ تا کہ صادقوں کے صدق کا امتحان لے اور اس نے انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ کی امت کے عہد کا بھی ذکر ہے۔ یہ وہی عہد تھا جس کا اس سے پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ آئندہ آنے والے مامور الٰہی پر ایمان لانا۔ یہ تمہارے صدق کا امتحان ہوگا اور انکار کرنے والے پکڑے جائیں گے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مامور نے نہ آنا تھا تو اس عہد کا کیا مطلب؟

تفسیر حسینی میں اس آیت کی تفسیر یہ لکھی ہے:۔

واذ اخذنا یاد رکھو لیا ہم نے من النبیین نبیوں سے میثاقھم عہد ان کا اسبات پر کہ خدا کی عبادت کریں اور خدا کی عبادت کی طرف بلائیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں یا ہر ایک کو بشارت دیں اس پیغمبر کی کہ ان کے بعد ہوگا۔ اور یہ عہد پیغمبروں سے روز الست میں لیا گیا۔ ومنک اور لیا ہم نے تجھ سے بھی عہد اے محمدؐ۔ (تفسیر حسینی اردو مطبوعہ نولکشور جلد ۲ ص ۲۵۶)

اس تفسیر نے اس آیت کو کیسا صاف کر دیا۔

(۶) وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل۔ آیت ۱۶)

ترجمہ: اور ہم کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتے جب تک ان کی طرف کوئی رسول نہ بھیج لیں۔

دوسری طرف قیامت سے پہلے سخت عذابوں کی پیشگوئی ہے فرماتا ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل۔ ۵۹)

ترجمہ: اور روئے زمین پر کوئی ایسی بستی نہیں ہوگی جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کردیں یا اسے بہت سخت عذاب نہ دیں۔ یہ بات تقدیر الٰہی میں پہلے سے لکھی ہوئی ہے۔

ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی ضرور آئے گا۔ ورنہ نعوذ باللہ یہ پیشگوئی غلط ثابت ہوتی ہے۔

ان آیات کے علاوہ اور آیات بھی ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر تشریعی نبوت کا دروازہ یقیناً بند نہیں لیکن اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری میں آنا ضروری ہے۔ اور کئی ایک بزرگوں کے اقوال بھی یہی ہیں۔

# غیر تشریعی نبوّت کے بند نہ ہونے کے متعلق بزرگان کے اقوال

(۱) اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

قولوا خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَلَا تقولوا لانبیَّ بعدہٗ

(در منثور جلد ۵ ص۲۰۴)

یعنی اے لوگو! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تو کہو، لیکن یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہی قول دوسری جگہ اس طرح سے مروی ہے:۔

قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَانَبِیَّ بَعْدَہٗ

(تکملہ مجمع البحار جلد ۴ ص۸۵)

یعنی تم یہ تو کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں لیکن یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ یعنی یہ درست نہیں کہ آپ کے بعد مطلقاً کسی قسم کا بھی نبی نہیں آسکتا۔ چنانچہ اس کی تشریح امام محمد طاہر علیہ الرحمۃ نے یوں کی ہے:۔

"ھذا ناظرٌ الی نزول عیسٰی وھذا ایضًا لاینافی حدیث لانبیَّ بعدی لِانّہ اراد لانبیَّ یَنْسَخُ شرعَہٗ (تکملہ مجمع البحار ص۸۵)

یعنی حضرت عائشہ رض کا یہ قول اسباب کے پیش نظر ہے کہ عیسٰیؑ کا نزول ہوگا اور یہ حدیث لانبیّ بعدی کے بھی منافی نہیں۔ کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد تھی کہ کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وفاتِ مسیح کی بھی قائل تھیں جیسا کہ مستدرک میں ان سے روایت ہے۔ ان عیسی ابن مریم عاش مائۃ وعشرین سنۃ" یعنی حضرت عیسٰیؑ ۱۲۰ سال زندہ رہے (بحوالہ حجج الکرامہ)

لانبیّ بعدہٗ کے معنے حضرت محی الدین ابن عربی یہ بیان کرتے ہیں۔

فما ارتفعت النبوّۃ بالکلیۃ لھذا قلنا انما ارتفعت نبوۃ التشریع فھذا معنٰی لانبیّ بعدہٗ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴)

ترجمہ: نبوت کلی طور پر ختم نہیں ہوگئی۔ صرف تشریعی نبوت ختم ہوئی ہے اور یہی معنے ہیں لانبیّ بعدہٗ کے۔

(۲) حضرت محی الدین ابن عربی مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

" ان النبوّۃ التی انقطعت بوجودِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ھی نبوۃ التشریعِ لامقامُھا فلا شرع یکونُ ناسخاً لشرعہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یزید فی شرعہ حکماً آخر وھذا معنٰی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد

انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبیّ اَیْ لا نبیّ یکونُ علیٰ شَرْعٍ یخالف شرعی بل اذا کان یکون تحت حُکمِ شریعتی۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

ترجمہ: تحقیق وہ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر ختم ہو گئی وہ تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت۔ پس اب کوئی شریعت نہیں آ سکتی جو آپ کی شریعت کو منسوخ کردے اور نہ ہی آپ کی شریعت میں کسی اور حکم کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور یہی معنے ہیں آپ کے قول کے کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے۔ پس میرے بعد کوئی رسول نہیں ہو گا اور نہ نبی یعنی مراد آپؐ کی یہ ہے کہ ایسا نبی جو میری شریعت کے مخالف شریعت پر ہو بلکہ جب کوئی نبی ہو گا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہو گا۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

فالنبوۃُ ساریۃٌ الیٰ یوم القیامۃ فی الخلق وان کان التشریع قد انقطع فالتشریع جزءٌ من اجزاء النبوۃ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ باب ۷۳)

ترجمہ: پس نبوت مخلوق میں قیامت تک جاری ہے۔ اگرچہ شریعت کا لانا منقطع ہو گیا۔ لیکن شریعت کا لانا نبوت مطلقہ کی ایک قسم ہے۔ یعنی تشریعی نبوت بھی ایک قسم کی نبوت ہے مگر شریعت لانے کو دوسری جگہ انہوں نے جزءِ عارضی قرار دیا ہے نہ کہ جزِ لازم یا جزءِ حقیقی۔

کیونکہ بعض انبیاء کو یہ جزء ملی ہے اور بعض کو نہیں ملی۔ لیکن نبوت مطلقہ کے لحاظ سے وہ نبی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں فالتشریع امر عارض ( کہ تشریع امر عارض ہے آگے لکھتے ہیں کہ عیسٰی نئی شریعت لانے کے بغیر نبی ہوں گے یکون عیسٰی ینزل فیھا من غیر تشریع وھو نبیّ بلاشک۔

(۳) فقہ حنفیہ کے امام حضرت ملّا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَرَدَ لانبیَّ بعدی معناہ عند العلماءِ لا یَحْدُثُ بعدہ نبیٌّ بشرعٍ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ۔

(الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ صـ۲۲۶)

ترجمہ: لانبی بعدی والی جو حدیث آئی ہے۔ علماء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی تشریعی نبی نہیں آئے گا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کردے۔

(۴) علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:۔

اِعْلَمْ اَنَّ مُطْلَقَ النبوّۃِ لم تَرْتَفِعْ وانّما ارتفعتْ نبوۃ التشریع۔ (الیواقیت الجواہر جلد ۲ صـ۲)

ترجمہ: جان لو کہ مطلق نبوت بند نہیں ہوئی بلکہ صرف تشریعی نبوت اُٹھ گئی ہے۔

آگے فرماتے ہیں:۔

فمازال المرسلون ولا یزالون فی ھذہ الدار لکن من باطنیّۃ شَرْعِ محمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن

اکثر الناس لا یعلمون۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۹۰)

ترجمہ: پہلے بھی دنیا میں رسول رہے اور آئندہ بھی اس دنیا میں رہیں گے لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی باطنیت سے ہونگے یعنی حضور کی شریعت کی پیروی کے نتیجہ میں ہونگے۔ لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔

(۵) حضرت عبدالکریم جیلانی لکھتے ہیں:۔

فَانْقَطَعَ حُکْمُ نبوۃِ التَّشْرِیْعِ بعدہ وکان محمّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم) خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ لِاَنَّہ جاء بالکمال ولم یجئی احدٌ بذٰلک۔

(الانسان الکامل جلد ۱۰ صفحہ ۶۸ مطبوعہ مصر)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریعی نبوت بند ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے خاتم النبیین تھے کہ آپ کامل شریعت لے کر آئے تھے اور کوئی اور نبی ایسی شریعت نہ لایا تھا۔

(۶) حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:۔

فکر کن در راہ نیکو خدمتے تا نبوت یابی اندر امتے

بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود مثل او نے بود نے خواہند بود

چونکہ در صنعت برد استاد دست
تو نہ گوئی ختم صنعت بر تو است

(مثنوی مولانا روم جلد ششم صفحہ ۸ مطبوعہ ۱۹۱۵ء)

ترجمہ: نیکی کی راہ میں خدمت کی ایسی تدبیر کر کہ تجھے امت کے اندر نبوت مل جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے خاتم ہوئے ہیں کہ بخشش و فیضان میں نہ پہلے کوئی آپ جیسا ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔

جب کوئی استاد صنعت یعنی کاریگری میں دوسروں سے سبقت لے جاتا ہے تو کیا تو نہیں کہتا کہ تجھ پر صنعت ختم ہوگئی۔ یعنی تیرے جیسا اور کوئی کاریگر نہیں۔

مولانا رومی نے اس جگہ واضح کر دیا کہ خاتم النبیین کے معنے آخری نبی نہیں بلکہ انتہائی کمال رکھنے والا نبی ہے جو نبی گر ہے جس طرح مولانا محمد قاسم نانوتوی آپ کی خاتمیت کی شان بیان کر چکے ہیں۔ اردو محاورہ میں بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص پر شاعری ختم ہوگئی یا فلاں شخص پر ادب ختم ہوگیا یعنی اس جیسا کوئی اور شاعر یا ادیب نہیں۔ یہ استعمال بلحاظ کمال ہے نہ کہ آخری ہونے کے لحاظ سے۔

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

خُتِمَ بِهِ النَّبِیُّوْنَ ای لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ۔ (تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۷۲)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اس طور سے ختم کی گئی ہے کہ اب کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جسے اللہ تعالیٰ شریعت دے کر بھیجے انسانوں کے لیے۔

اِمْتَنَعَ ان یکونَ بعدہ نبیٌّ مُستقلٌّ بالتَّلقِّیْ۔

(الخیر الکثیر ص۸۰ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل شریعت والا نبی آنا ممنوع ہے۔

لِاَنَّ النبوّۃ تَتَجَزّٰی وَجُزْءٌ منہا باقٍ بعدَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ۔ (المسوّٰی شرح موطا امام مالک جلد۲ ص۲۱۶ مطبوعہ دہلی)

ترجمہ: کیونکہ نبوت قابل تقسیم ہے (یعنی اس کی قسمیں ہیں) اور اس کی ایک قسم خاتم الانبیا کے بعد باقی ہے۔

آنے والے مسیح کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

یَزْعُمُ العامّۃُ انّہ اذا نزل الی الارض کان واحداً من الاُمّۃ کلا بل ھو شرحٌ لِلْاِسْمِ الجَامِعِ المُحَمَّدِیّ ونُسْخَۃٌ مُنْتَسِخَۃٌ منہ فشتّان بینہ وبین احدٍ من الاُمّۃِ۔ (الخیر الکثیر ص۷۲ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور)

ترجمہ: عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ جب مسیح موعود آئے گا زمین کی طرف تو اس کی حیثیت محض ایک امتی کی ہو گی۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ اسم جامع محمدی کی پوری شرح ہو گا۔ اور آپ کا دوسرا نسخہ ہو گا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل ظل ہو گا) پس اس کی اور دوسرے اُمتیوں کی کیا نسبت۔

(۸) حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں :-

"حصولِ کمالاتِ نبوت بر تابعان را بطریق تبعیت و وراثت بعد از بعثت خاتم الرسل منافی خاتمیت او نیست - فلاتکن من الممترین - (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد ا مکتوب ۳۰۱ صفحہ ۴۳۲)

ترجمہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کے خاص متبعین کا آپ کی کامل پیروی کی وجہ سے کمالات نبوت حاصل کرنا آپؐ کی خاتمیت کے منافی نہیں پس تو شک کرنے والوں میں نہ ہو۔

(۹) مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں :-

"بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرد کسی نبی کا آنا محال نہیں بلکہ نئی شریعت والا البتہ ممتنع ہے" (دافع الوساوس فی اثر ابن عباس نیا ایڈیشن صفحہ ۱۶)

نیز لکھتے ہیں :-

"علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ کی تمام مکلفین کو شامل ہے۔ اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہوگا وہ متبع شریعت محمدیہ ہوگا۔ (دافع الوساوس صفحہ ۲۹ نیا ایڈیشن)

(۱۰) علامہ حکیم صوفی محمد حسین صاحب مصنف غایۃ البرہان لکھتے ہیں :-

"الغرض اصطلاح میں نبوت بخصوصیتِ الٰہیہ خبر دینے سے عبارت ہے۔ وہ دو قسم پر ہے۔ ایک نبوت تشریعی جو ختم ہو گئی۔ دوسری نبوت بمعنی خبر دادن وہ غیر منقطع ہے پس اس کو مبشرات کہتے ہیں۔ اپنے اقسام کے ساتھ اس میں رؤیا بھی ہے۔ (الکواکب الدریہ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸)

(۱۱) نواب نور الحسن خاں ابن نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:-

"حدیث لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ بے اصل ہے البتہ لانبیّ بعدی آیا ہے جس کے معنے نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائے گا۔ (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۳)

(۱۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ مدرسہ دیوبند کی رائے پہلے دی جا چکی ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے لیے مؤثر وجود قرار دیتے ہیں اور نبی کے بعد ہونے کو خاتمیت محمدی کے منافی نہیں جانتے۔

ان تمام حوالہ جات سے پورے طور پر واضح ہے کہ بہت بڑے بڑے علماء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی پیروی میں غیر تشریعی نبوت کا دروازہ ہرگز بند نہیں۔

جن حدیثوں میں لانبیّ بعدی آیا ہے ان کی تشریح بھی ان بزرگوں نے کر دی کہ ان سے مراد شریعت والی نبوت ہے۔ پھر ایسی حدیثیں بھی ہیں جن میں آپ کے بعد نبی کے آنے کے امکان کو بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دو حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) پہلی حدیث :- لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔ (رواہ ابن ماجہ)
یعنی اگر (صاحبزادہ) ابراہیم زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا۔
اس حدیث کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ آیت خاتم النبیین کے نزول کے پانچ سال بعد کی ہے جب حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی بعض لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن حضرت ملّا علی القاری کہتے ہیں۔

"لہ طُرُقٌ ثلاثٌ یُقَوّی بعضھا ببعضٍ" (موضوعات کبیر صفحہ ۵۸)

یعنی: حدیث تین طریقوں سے مروی ہے جو آپس میں ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ لہذا یہ درست نہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی مزید تائید میں مولانا فرماتے ہیں:-

یُقَوِّیْہِ حَدِیْث لو کان موسیٰ حیًّا لَمَا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ۔ (موضوعات کبیر صفحہ ۵۹)

یعنی وہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے جس میں حضور نے فرمایا کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔
آپ یہ بھی لکھتے ہیں:-

فلا یناقض قولہ تعالیٰ خاتم النبیین اِذ المعنیٰ انّہ لا یاتی نبیٌّ بعدہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ من اُمَّتِہٖ۔
(موضوعات کبیر صفحہ ۵۸-۵۹)

ترجمہ: صاحبزادہ ابراہیم کا نبی ہو جانا اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیین

کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس کے معنے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔

بعض نے اس روایت میں راوی ابن ابی شیبہ کو ضعیف کہا ہے لیکن تہذیب التہذیب اور اکمال الاکمال میں اس راوی کو ثقہ قرار دیا گیا ہے۔ نیز بیضاوی کے حاشیہ الشہاب علی البیضاوی میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔

اَمّا صِحَّۃُ الحدیث فلاشُبْہَۃَ فیھا یعنی اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔

امام نودی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن امام شوکانی نے اس کی تردید کرتے ہوئے اسے ثقہ ثابت کیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حدیث میں ایک ممکن ہونے والی بات کو فرض کیا گیا ہے۔ اگر آپ کے بعد نبی کا آنا ممکن ہی نہ ہوتا تو آپ ایسا نہ فرماتے۔ کیونکہ پھر یہ کہنا اس صورت میں نعوذ باللہ صحیح نہ ہوتا۔ اگر مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ زید زندہ ہوتا تو ایک منٹ میں پاکستان سے امریکہ پہنچ جاتا۔ تو یہ درست نہ ہوتا کیونکہ کوئی انسان بھی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ایک منٹ میں کئی ہزار میل کا سفر طے کرلے۔ یہ فقرہ تبھی ٹھیک ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک انسان اس قسم کا کام کرسکتا ہوتا۔ ورنہ جھوٹ ہوگا۔

(۲) دوسری حدیث : وَاشَوْقَاہُ اِلیٰ اِخْوَانِیَ الَّذِینَ یَاتُوْنَ

بَعْدِیْ۔ (الانسان الکامل جلد ۲ صہ ۸۴) یعنی مجھے کس قدر اشتیاق ہے اپنے بھائیوں کے لیے جو میرے بعد آئینگے۔

سید عبد الکریم جیلانی اس حدیث کی تشریح کے طور پر فرماتے ہیں۔

فَهٰؤُلَاۤءِ اَنْبِیَاۤءُ الْاَوْلِیَاۤءِ یُرِیْدُ بِذٰلِكَ نُبُوَّةَ الْقُرْبِ وَالْاِعْلَامِ وَالْحُكْمِ الْاِلٰهِیْ لَا نُبُوَّةَ التَّشْرِیْعِ لِاَنَّ نبوۃ التَّشْرِیْعِ انْقَطَعَتْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (الانسان کامل جلد ۲ صہ ۸۴)

ترجمہ:- یہ (یعنی اس حدیث میں اِخوان سے مراد) انبیاء الاولیاء ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد نبوۃ القرب والاعلام والحکم الالٰھی ہے نہ کہ تشریعی نبوت کیونکہ تشریعی نبوت آپ کے آنے سے ختم ہو گئی۔ سید عبد الکریم جیلانی نے یہاں تشریعی نبوت کے مقابل ایک ایسی نبوت کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالےٰ کے قُرب کا اعلیٰ درجہ رکھتی ہے۔ اور اس میں اخبار غیبیہ اور الٰہی حکمتیں ظاہر کی جاتی ہیں اسی کو غیر تشریعی نبوت کہا جاتا ہے اور اس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی راستہ کھلا ہے۔ البتہ تشریعی نبوت ختم ہو گئی ہے۔

## باب یازدہم

# آخِرُ الکلامِ

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اُس زمانہ میں ایک مامور کے بھیجنے کی بشارت دیتا ہے جس کے ہاتھوں مخالف طاقتیں شکست کھائینگی اور اسلام کو تمام دنیا میں غلبہ حاصل ہوگا اور وہ غلبہ آخر دنیا تک رہیگا۔ اس کی خبر مختلف پیرایوں میں دی گئی جس کا ذکر باب اول میں آچکا ہے۔ پھر ہمارے پیارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول مسیح کی بار بار خبر دی۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بتایا کہ مسیح ضرور آئے گا اور دجال کو قتل کریگا۔ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو نابود کرے گا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوگا اور قرآن کریم کا تابع۔ اس کے متعلق یہ سب خبریں استعارۃً میں دی گئی تھیں تاکہ انسانوں کے لیے آزمائش ٹھہرے۔ ورنہ نبی کا یہ کام نہیں ہوتا کہ صلیبوں کو گرجاؤں سے اتار اتار کر توڑتا جائے۔ دنیا کی ساری صلیبیں توڑنے کے لیے ساری عمر بھی کافی نہیں۔ پھر اور کام اس نے کیا کرنا ہے اسی طرح سؤروں کو قتل کرنا ساہنسی قوم کا کام ہے نہ کہ خدا تعالےٰ کے ایک نبی کا۔ قتل دجال کی بھی یہی صورت ہے۔ اس مسیح کی اور بھی بہت

سی نشانیاں بتائی گئیں جن کی کسی قدر تفصیل گذر چکی ہے۔

ان حالات میں بزرگان دین اور علمائے امت کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ آنے والے مسیح پر ایمان رکھیں اور اس کی انتظار کریں چنانچہ شروع سے لے کر یہی عقیدہ رہا کہ مسیح آئے گا۔ لیکن ایک حصہ شروع سے ہی یہ مانتا رہا کہ وہ مسیح جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا گیا تھا اور جس کی شریعت تورات تھی اور جو انجیل دیا گیا تھا وہ فوت ہو چکا ہے تاہم وہ مسیح کی آمد ثانی کا باقی سب کی طرح قائل رہا۔ گویا اس امر پر سب متفق رہے کہ مسیح کی آمد ضرور ہو گی۔

قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کا ایک معتدبہ حصہ ہمیں بتاتا ہے کہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونے والا مسیح یقیناً فوت ہو چکا ہے۔ قانونِ الٰہی بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ پس اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ پہلا مسیح فوت ہو کر اپنے رب کے حضور جا چکا ہے اور اب اس کے بذاتِ خود دوبارہ آنے کا کوئی سوال نہیں رہا۔ لیکن اس مخبر صادق نے جو قسم کھا کر بتایا تھا وہ بھی ضرور پورا ہوتا ہے اس سے انکار کرنا سخت خطرناک ہو گا اور خدا کے غضب کو لانے والا۔

ایک مثال ہمارے پاس پہلے موجود ہے کہ ایلیا (الیاس) نبی کے متعلق بتایا گیا کہ وہ دوبارہ آئے گا تو اس کے بعد مسیح آئے گا۔ لیکن وہ دوبارہ نہ آئے اور حضرت مسیح آ گئے۔ اعتراض کرنے والوں نے یہ اعتراض کیا کہ آپ کو کس طرح مان لیں جب کہ ابھی ایلیا نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا ایلیا

تو آ گیا ہے اور وہ یوحنا (یحییٰ) ہے جو ایلیا کا مثیل ہے۔ یہود نے اس سے تسلی نہ پائی لیکن خدا کی درگاہ میں اس عذر کے باوجود جو بظاہر بڑا معقول نظر آتا تھا وہ مغضوب علیہم قرار پا گئے۔ کیا یہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں کہ پیشگوئی کے باوجود بھی کوئی شخص بذات خود دوبارہ نہیں آتا اور اس کا صحیح رنگ میں مثیل آ جائے تو اسی کا آنا شمار ہوتا ہے۔ یہود کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ تو اپنی نوعیت کا پہلا تھا لیکن پھر بھی وہ قابل مواخذہ ہو گئے، کیونکہ عقل کے مطابق وہی بات تھی جو حضرت مسیح نے انہیں بتائی۔ لیکن اب ہمارے پاس تو یہ سب تفصیل موجود ہے اور پھر بھی عقل کو استعمال نہ کرنا ہمیں کس طرح بچا سکتا ہے۔

پھر یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ امت محمدیہ میں ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند نہیں۔ بڑے بڑے بزرگوں نے یہ لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہے کیونکہ شریعت مکمل ہو چکی۔ غیر تشریعی نبی یقیناً آ سکتا ہے چونکہ مقدر تھا کہ ایک وقت امت میں ایسی زبردست خرابی پیدا ہو جائے گی اور وہ ایسے بیرونی خطرات میں گھر جائے گی کہ اس کے لیے نبی سے کم درجہ کا انسان کفایت نہ کر سکے گا۔ اسی نبی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ایسی روحانی قوت دی جائے گی اور ایسا علم عطا کیا جائے گا کہ وہ تمام طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کر کے ان کا قلع قمع کر سکے گا۔ اور اسلام پر تمام حملوں کے جواب دے سکیگا۔ وہ مسیح کی خصوصیتیں لے کر آئے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نبوت

سے فیض یاب ہو کر مہدی کہلائے گا اور مسیحیت اور مہدویت ایک ہی وجود میں جمع ہو جائے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات پوری ہو گی کہ لا مہدی اِلّا عیسیٰ۔

ان بزرگوں نے ایسے مدلّل رنگ میں یہ غیر تشریعی نبی آسکنے والی بات بیان فرمائی کہ کسی کو اس میں شک کی گنجائش نہیں رہنی چاہیئے تھی۔ ان کے استدلال کا منبع درحقیقت قرآن کریم تھا جو بڑی وضاحت سے یہ بیان کر رہا ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت میں محو ہونے والا یہ درجہ پا سکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ یہ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کا کرشمہ ہے جو صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی اور نبی کو یہ بات نہ دی گئی تھی کہ اس کا فیض ایسا کرشمہ دکھا سکے۔ اس بزرگ نبی کی کیا شان ہے کہ وہ اسی خاک میں سے مسیح پیدا کر سکتا ہے وہ جو اس کی اطاعت اور محبت میں سرشار ہونے والا تھا اس نے کیا خوب کہا ؎

آں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند
عجب کردی کہ ازیں خاک نمایاں کردی (مسیح موعود)

یعنی وہ مسیحا جس کا مقام آسمان پر بتایا جاتا ہے (اے خدا اور اسکے رسول کی محبت) تو نے عجیب کام کیا کہ اسے اسی خاک میں سے پیدا کر دیا۔

اس کا انکار کرنے والوں نے یہ بھی غور نہ کیا کہ ایک مستقل نبی کو بمقابلہ امتی نبی کے لانا جس نے جو کچھ پایا براہ راست خدا تعالےٰ سے پایا ختم نبوت

کے ساتھ مطابقت کس طرح رکھ سکتا ہے۔ وہ تو دوبارہ آنے پر بھی اپنی نبوت نہیں چھوڑ سکتا اور اس کی نبوت میں نہ کوئی فرق آسکتا ہے اور نہ ہی وہ اس سے الگ ہو سکتا ہے نہ اس میں تغیر آسکتا ہے۔ نبوت تو اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جسے ایک دفعہ دینے کے بعد واپس نہیں لیا جاتا۔ یہ خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ پھر جس شریعت کے ساتھ اس کا تعلق تھا وہ بھی نہیں توڑا جا سکتا۔ کہ ایک وقت وہ ایک شریعت کا پابند اور اس کا نافذ کرنے والا ہو اور دوسرے وقت میں دوسری شریعت کا پابند ہو جائے اور اسے نافذ کر کے پہلی شریعت کو اپنے ہی ہاتھوں سے منسوخ کر دے اور اس قوم کی ہلاکت کے درپے ہو جائے جسے اس نے پہلے اتنی جانفشانی سے بنایا۔

سو یہ اعتقاد کسی صورت میں بھی درست نہیں کہ اس مسیح کو دوبارہ لایا جائے اور پھر اس کی ضرورت بھی کیا ہے کہ امت محمدیہ کو اسرائیلی مسیح کا مرہون منت کیا جائے اور وہی اس کی اصلاح کرے۔ ان کے اپنے اندر کوئی شخص اس حیثیت کا نہ ہو سکے۔ کیا یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہوگا جو ہم دنیا سے منوا کر اسلام کو غالب کریں گے۔ یہ تو حضرت عیسےٰ کا فیضان کہلا سکیگا۔ لیکن ایک مومن کے لیے یہ قابل برداشت نہیں کہ وہ امت محمدیہ کو ایسے وجود سے ہمیشہ کے لیے خالی سمجھ لے گویا نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان کچھ بھی نہ کر سکا اور کامل اصلاح یافتہ انسان آپ کی اطاعت میں پیدا نہ ہو سکے اور مسیح کو باہر سے

لانے کی ضرورت پڑی۔ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے وہ اصلاحی طاقت اور قوت قدسی دی ہے کہ دنیا میں اور کسی کو نہ دی گئی اور نہ دی جائے گی اسی وجہ سے آپ خاتم النبیین ٹھہرے لیکن یہ فیض ختم کرنے کے لحاظ سے نہیں بلکہ فیض جاری کرنے کے لحاظ سے ہے اور آپ کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ محض آخری ہونا جس کے بعد بھی امت میں فساد پیدا ہوتا رہے کوئی خوبی کی بات نہیں۔ یا تو یہ ہوتا کہ آپ کی امت ہر قسم کے فساد سے محفوظ رہتی۔ لیکن یہ بات تو نہیں۔ بلکہ آپ نے خود بتا دیا کہ ایک وقت مسلمانوں کی حالت ایسی خراب ہو جائے گی کہ وہ یہود کے نقش قدم پر چلیں گے اور روحانیت سے بالکل کورے ہو جائیں گے اور اس وقت مسیح آ کر ان کی اصلاح اور تقویت کا موجب بنے گا۔ یعنی اس وقت ایک نبی کے سوا یہ کام نہ ہو سکے گا۔ لیکن اگر وہ نبی باہر سے لایا جائے تو یہ اصلاح کا کمال ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کس طرح منسوب کر سکیں گے۔ ہاں اگر آپ کی اطاعت اور محبت میں پرورش پانے والا اور آپ کے نور سے منور ہونے والا اور آپ کی قوت قدسی سے بہرہ ور ہونے والا اور اپنے وجود کو آپ کے لیے محو کر دینے والا یہ کام کرے گا تو یہ اس کا کام نہ ہوگا بلکہ آپؐ کا کام ہوگا جن کے فیض سے یہ سب کچھ ظہور میں آیا۔

سو کیا آپ یہ فرق نہیں سمجھتے اور یہ نہیں دیکھتے کہ آپؐ کی شان کس میں ہے۔ کیا نبوت ختم کر دینے کے بعد مسیح کے ذریعہ کام ہونے میں ہے

یا غیر تشریعی نبوت کا فیض جاری رکھ کر اپنے ظل سے کام لینے میں ہے۔ ظل کا کام اصل کا کام ہی ہوتا ہے۔ لیکن غیر ہر حال میں غیر ہوتا ہے۔

پھر بات صرف استدلال تک رہتی تو بھی شاید بعض کے لیے اطمینان کی صورت نہ ہوتی۔ لیکن یہاں تو آنے والے مسیح نے عملاً یہ دکھا دیا کہ وہ واقعی ان تمام پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا ہے جو اس کے لیے قرآن اور حدیثوں میں کی گئی تھیں۔ اس نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اور نہایت درجہ چمک کے ساتھ وہ سارے کام کیے جن کے لیے اس نے آنا تھا۔ اس نے تازہ بتازہ مبشرانہ کلام سنایا جو روحوں کی غذا تھا اور قرآنی آیات کی صحیح تشریح کی اور اس طرح لم یبق من النبوّۃ الا المبشرات والی خوشخبری کو پورا کیا۔ اس کو وہ قوت قدسی دی گئی کہ اس نے مردوں کو زندہ کر کے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اپنے آقا کا جانشین اور اس کا مبارک اور روشن چہرہ دکھانیوالا ہے اور خدا کے اس قول کا مصداق یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (انفال ع ۳۔) اس کو وہ علم بخشا گیا کہ اس نے نہایت روشن دلائل کے ساتھ دجالیت کے طلسم کو پاش پاش کیا اور فلسفے کا بوداپن ظاہر کیا اور خدائے ذوالجلال کا چہرہ دکھایا اس کے پاک رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو ظاہر کیا اور اس طور سے دجال اس کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس نے عیسائیت کے زور کو توڑا اور اسلام کے مقابلہ میں اس کا بطلان ثابت کیا۔ یہاں تک کہ پادری اس کے مقابلہ سے بھاگ گئے اور اس طرح سے اس نے کسر صلیب کیا۔ بدی کا

آپکے ہاتھوں قلع قمع ہوا۔ آپ نے اپنے گرد و پیش پاکیزگی اور پرہیزگاری اور تقوی کو پھیلایا اور ایک پاکبازوں کی جماعت کو قائم کیا جن میں سے ایک ایک آدمی کے حالات سنکر بھی تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح انکو گناہوں کی آلودگی سے نکالکر خداشناس بنایا اور اس طرح سے خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات پوری ہوئی کہ وہ خنزیر کو قتل کریگا۔ اس نے جو جماعت قائم کی اسے اپنی دعاؤں اور خدائی تائیدوں سے گویا کوہ طور پر لے گیا۔ وہ دو زرد چادروں میں یعنی دو بیماریاں لیکر آیا۔ وہ فرشتوں کے سہارے سے اترا جنہوں نے ہر آن اسکے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے اسکی تائید کی۔ ساری دنیا اسکی مخالفت پر آمادہ ہوگئی جس طرح ماموروں کے ساتھ ہوا کرتا ہے یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزؤن لیکن فرشتوں نے اس کے آگے اور اسکے پیچھے اور اسکے دائیں اور اسکے بائیں اور اسکے اوپر اور اسکے نیچے سے اسکی حفاظت کی اور کوئی اسے نقصان نہ پہنچا سکا۔

پس اے ہمارے مسلمان بھائیو اس آنیوالے کو پہچانیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو تمام دنیا میں قائم کرنے، قرآن کریم کے انوار کو ظاہر کرنے اور اسلام کو تمام دینوں پر غالب کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے۔ ہمارے خدا نے ہمیں اس مشکل کے وقت میں چھوڑ دینا نہ چاہا اور انتہائی رحم و کرم فرماتے ہوئے ہماری اور اسلام کی حفاظت کے لیے ایک ایسے شخص کو بھیجا جو خدا اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایسا گم ہوا کہ اسکا اپنا کچھ بھی نہ رہا اور وہ سارے کا سارا اپنے آقا و سردار حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گیا اور آپ کے علم اور آپ کی قوت قدسی اور آپکے معجزات کو ظاہر کرنے والا بن گیا۔ اس نے جو کچھ کیا وہ اس کے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اسکو جو کچھ دیا گیا اپنے آقا کے طفیل دیا گیا۔ وہ کوئی ایسا وجود نہیں تھا جسے آپ مسترد کر دیتے۔ زمانہ کی بلاؤں سے اس کی

حفاظت میں آجانا اور اس کے ذریعہ سے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و
خوشنودی حاصل کرنا سب سے بڑی خوش قسمتی ہے اس راستہ میں ٹھوکریں ضرور ہوں
خدا کا یہی منشاء ہے کہ وہ انسانوں کی آزمائش کرے اور تب انہیں انعام دے لیکن ایک
سلیم العقل اور سلیم الفطرت انسان جب خدا کی طرف جھکتا ہوا اس کی رہنمائی چاہتا ہے
تو وہ ٹھوکروں سے بچایا جاتا ہے اور اصل حقیقت کو پالیتا ہے۔ باپ دادا سے
آئے ہوئے راسخ خیالات کو چھوڑنا آسان کام نہیں ہوتا۔ لیکن ایک خدا ترس
ان سلاسل سے آزاد کر دیا جاتا ہے اور وہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت
لیے تمام زنجیروں کو توڑ کر اس مامور کے قدموں میں آپڑتا ہے جو خدا اور اس
رسول کا آئینہ ہوتا ہے اور اس کی محبت میں ان کی محبت اور اس کی ناراضگی
ان کی ناراضگی ہوتی ہے۔

سو آپ اس کو پہچانیں اور اس کے انصار میں داخل ہو کر سچے مسلمان بن
اور اسلام کے غلبہ کی مہم میں حصہ دار ہو جائیں۔ وہ دن قریب آرہے ہیں
میں اسلام کی اخلاقی اور روحانی قوت ایک دفعہ پھر قائم ہو اور محمد رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک چہرہ انہیں نظر آئے اور قرآن کریم کے جواہرات
وہ مالا مال ہوں اور اسلام کے سوا کوئی مذہب انسانوں کی نگاہ میں قابل
نہ ٹھہرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے سوا کوئی
باقی نہ رہے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔